حدیثِ رسول کا قرآنی معیار

صلی اللہ علیہ وسلم

علمِ حدیث کی اہمیت عظمت اور اقسام کا قرآنِ کریم سے محققانہ ثبوت

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

اشاعت اول ——— اپریل ۱۹۷۷ء

باہتمام ——— اشرف برادرز لاہور

طباعت ——— عرفان افضل پریس لاہور

کتابت ——— قاری سیف اللہ خالد

قیمت ———

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ ۔ انارکلی ۔ لاہور

دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ ۔ کراچی ۱

مکتبہ دارالعلوم ۔ دارالعلوم ، کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف ۔ دارالعلوم ، کراچی ۱۴

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

آخری دین!

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ امابعد!

اسلام خدا کا آخری پیغام اور اس کے آسمان سے اترا ہوا آخری دین ہے جو، قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے پیغام اور دستور زندگی ہے اس کے بعد نہ کوئی دین آنے والا ہے نہ کوئی شریعت، کیوں کہ نبوت ختم ہوچکی اور خاتم النبیین آ چکے ہیں۔ اس لئے خاتم الانبیاء کا دین ہی قدرتی طور پر خاتم الادیان، ان کی شریعت خاتم الشرائع، اور اس شریعت کی کتاب خاتم الکتب ہوسکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ دین مع اپنی بنیادوں کے قیامت تک باقی اور محفوظ ہے ورنہ اس صورت میں کہ یہ دین اور شریعت تو باقی نہ رہے اور جدید شریعت آنے والی نہ ہو تو دنیا سے حق کلیتہً منقطع ہوجاتا ہے حالانکہ دنیا کی بقا ہی حق اور نام حق سے ہے جس دن ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا اس زمین پر باقی نہ رہے گا اسی دن قیامت قائم کر دی جائے گی اور یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا اس لئے قیامت سے پہلے کوئی ساعت

بھی ایسی نہیں آسکتی کہ اس میں حق اور ناحق سرے سے باقی نہ رہے سو ختم نبوت اور خاتم الشرائع کے آجانے کے بعد جب کہ کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں تھا، حق کی صورت اس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی کہ آخری دین کو قیامت تک باقی رکھا جائے اور زمانہ کی دست وبرد سے اس کی حفاظت ہو، تاکہ کسی راہ سے بھی اس میں خلل اور زلل نہ آنے پائے خواہ تلبیس کرنے والے کتنے بھی پیدا ہو جائیں فرقے اور گروہ کتنے ہی بن جائیں، تحریف وتاویل سے شکوک وشبہات کے دروازے کتنے بھی کھول دیئے جائیں لیکن اصل دین اپنی اسی اصلی شان اور اپنی پوری کیفیت وحقیقت کے ساتھ، اسی انداز سے باقی رہے جس انداز سے وہ اپنی ابتدائی زندگی میں محفوظ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی غیر معمولی حفاظت انسان اور نوعِ بشری کے بس کی بات نہ تھی، انسان مجموعۂ تغیرات ہے اس کا دل ودماغ، اس کی ذہنی رفتار اور طبعی رجحان ومیلان بلکہ عقلی تقاضے ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہ سکتے، اس تغیر پذیر ذہنیت سے ممکن نہ تھا کہ وہ یکسانی کے ساتھ اپنے دین کو ہر دور میں یکساں محفوظ رکھ سکتا۔ اگر انسان ایسی لا تبدیل فطرت کا حامل ہوتا تو توراۃ وانجیل بے نشان کیوں ہوتیں؟ زبور کی اصلیت کیوں گم ہو جاتی صحف آدمؑ اور صحف ابراہیمؑ دنیا سے ناپید کیوں ہو جاتے۔ اگر آخری دین کی حفاظت بھی مثل سابق انسانوں کے ہاتھوں میں دے دی جاتی تو اس دین کا حشر بھی وہی ہوتا جو ادیانِ سابقہ کا ہوا کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہتا اور انسان کی تغیر پذیر ذہنی رفتار اس میں بھی تغیر وتبدل کئے بغیر نہ رہتی لیکن ادیانِ سابقہ اگر محفوظ نہ رہے اور ختم ہو گئے

تو دنیا کے بقا میں اس لئے فرق نہ آیا کہ نبوت ختم نہ ہوئی تھی، جو شریعت گم ہوئی تھی اس کی جگہ نئی شریعت نئی نبوت کے زیر سایہ اس کے قائم مقام ہو جاتی تھی اور دنیا سے حق منقطع نہ ہوتا تھا کہ فنا رِ دنیا کی نوبت آتی۔ لیکن ختم نبوت کے بعد اس دین کے گم ہو جانے سے یہ صورت ممکن نہ تھی کہ نیا دین آ جائے اور دنیا فنا نہ ہو اس لئے اس آخری دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی اور یہ اٹل وعدہ فرمایا کہ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝	ہم ہی نے یہ ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

حفاظتِ دین کی صورتیں

ظاہر ہے کہ حفاظتِ دین کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ محافظِ دین ایسی طاقتور شخصیتیں کھڑی کی جاتی رہیں جن کا طبعی ذوق اور ذاتی میلان ہی دین کا تحفظ ہو اور وہ عقیدہ و عمل کی سرحدات کو اپنی فکری و عملی قوتوں سے اس حد تک مضبوط کرنے کی فکر میں لگی رہیں کہ اس میں کسی ادنیٰ تغیر و تبدل یا خلل کے تصور کو بھی برداشت نہ کر سکیں۔

ہر صدی کے شروع میں مجدد کی آمد

دوسری صورت یہ ہے کہ اصل قانون دین خود ایسا فطری ہو کہ اس میں خود اپنے بقاء و تحفظ کی ذاتی اسپرٹ ہو اور اس حد تک ہو کہ اس کی طبیعت ہی کسی تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو برداشت نہ کر سکے بلکہ اس کی مضبوط ترین حجت و برہان اپنے فطری نمو اور طبعی قوت سے ہر تغیر کے خطرہ کو دفع کرتی رہے جس سے اس کے آمنے سامنے اور

دائیں بائیں کسی باطل کی پہنچ ہی ناممکن ہو۔ سو اس دین کی حفاظت کے لئے دونوں ، صورتیں اختیار کی گئیں۔

پہلی صورت یعنی سرتا پا دین اور مجسم سلسلام قسم کی شخصیتیں ہر ایسے دور میں ، مختلف اندازوں اور عنوانوں سے پیدا کی جاتی رہیں کہ جن میں دین اور اجزائے دین کے خطرہ میں پڑ جانے کا کوئی امکان دیکھا گیا ، مثلاً انسانی ذہنیت سو برس کے دور میں طبعاً متغیر ہو جاتی ہے کیوں کہ سو برس میں ایک قرن ختم ہو کر دوسرے قرن کے لئے جگہ خالی کرتا ہے اور ایک نسل پوری کی پوری ختم ہو کر دنیا کو دوسری نسل کے ہاتھ میں چھوڑ جاتی ہے جس کی ذہنیت یقیناً وہ نہیں رہتی جو سو برس پہلے کے لوگوں کی تھی انسان کے ذہنی ارتقا کے تحت ذہن بدل جاتا ہے ، نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں ، نئے ترقی یافتہ نظریات سامنے آجاتے ہیں ، تمدنی رجحانات پہلے سے نہیں رہتے طرز زندگی میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں اور گویا یہ انسان وہ نہیں رہتا جو سو برس پہلے کا انسان تھا ۔ اس لئے ہر قرن کے آغاز میں دین کے لئے یہ خطرہ ، قدرتی تھا کہ نئے انسانوں کی ذہنی تبدیلیاں اسے بدل نہ ڈالیں اور اس کے سابقہ رنگ کو پھیکا کر کے اس پر کوئی نیا رنگ نہ چڑھا دیں جس سے اس کا اصلی اور قدیم رنگ ، ناقابل التفات ہو جائے اس لئے ہر صدی کے سرے پر سلسلام میں مجددوں کا وعدہ دیا گیا جو دین کو ان نئے انسانوں کی ذہنیت کی رعایت رکھتے ہوئے نو بہ نو اور تازہ بہ تازہ کرتے ہیں اور اس کے اصول و فروع کو نکھار کر اس طرح سامنے

لائیں کہ نئے نئے شکوک وشبہات کا قلع قمع بھی ہو جائے اور قدیم مسائل جدید دلائل کے ساتھ اور زیادہ روشن اور صاف ہو کر نئے قرن کے سامنے آجائیں۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔

(مشکوٰۃ شریف)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے شروع میں ایسے لوگ، پیدا فرماتا رہے گا جو امت کے لئے دین کو تازہ بتازہ اور نو بہ نو کرتے رہیں۔

دین کی معیاری جماعتیں

لیکن اس کے بعد یہ اندیشہ صدی کے اندر اندر بھی باقی رہتا تھا کہ اشرار وفجار، اور ملحدین ومنافقین اسلام کے نام سے اسلام کا حلیہ تبدیل کر دیں اور اسلام میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اسے صحیح العقیدہ لوگوں کے لئے مشتبہ بنانے کی کوشش کریں لوگ تو مجدد کے انتظار ہی میں رہیں اور یہ شر پسند اور کج فہم گروہ رکیک تاویلات اور غلو آمیز کاوشوں سے دین میں زندقہ الحاد پھیلانے میں کامیاب ہو جائے جس سے دین کے بنے بنائے نظام میں خلل پڑ جائے اور اس طرح دین سے دنیا کا اعتماد اٹھ جائے تو صدی کے سرے کی قید چھوڑ کر صدی کے اندر اندر بھی سلف صالحین کے اخلاف رشید پیدا کرتے رہنے کا وعدہ دیا گیا۔ اور اطمینان دلایا گیا کہ امت پر صدی کے اندرونی حصہ اور درمیانی دور میں بھی کوئی وقت ایسا نہ آئے گا کہ امت کو سلف

کے نمونہ کے خلف نہ مل سکیں ؛ نہیں بلکہ ضرور ملیں گے جو اپنے صحیح علم ونظر اور نکھری ہوئی شرعی حجتوں سے السان نما شیاطین کی وسوسہ اندازیوں اور دسیسہ کاریوں کا پول کھولتے رہیں گے اور دین پر کسی نہج سے بھی آنچ نہ آنے دیں گے ۔

ارشاد نبوی ہے ۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین وتاویل الجاھلین ۔

(سلف کے بعد) اخلاف میں سے ایسے معتدل لوگ ہمیشہ اس علم (دین) کے حامل ہوتے رہیں گے جو غلو زدہ لوگوں کی تحریفوں اور باطل پرستوں کی دروغ بافیوں اور تلبیسوں اور جاہلوں کی رکیک تاویلوں کا پردہ چاک کرتے رہیں گے (اور ان خرافات کی نفی کرتے رہیں گے)

لیکن پھر سلف وخلف میں بھی بہر حال کچھ نہ کچھ فصل اور وقفہ ضرور ہوتا ہے سلف کے بعد خلف کو بنتے ہوئے بھی بہر حال کچھ نہ کچھ دیر ضرور لگتی ہے اندیشہ تھا کہ سلف کے اٹھنے پر جبکہ خلف ابھی حدِ تکمیل کو نہ پہنچے ہوں ، باطل پرست میدان ، خالی دیکھ کر آدھمکیں اور وقت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا ابلیسی کام کر گزریں جس سے امت میں ذہنی انتشار اور تشویش راہ پا جائے اور دین رخصت ہونے لگے ۔ تو امت کو اطمینان دلانے کے لئے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ کوئی بھی ساعت اور

دقعہ امت پر ایسا نہ گزرے گا کہ اس میں ہر وقت کوئی طائفہ حقہ موجود نہ رہے جو
مؤید من اللہ اور منصور منجانب اللہ ہو یعنی امت مرحومہ کو ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے
وہ لاوارث امت نہیں زندہ نبی کی امت اور زندہ شریعت کی پیرو ہے جس میں دین کے
معیار کی زندہ جماعتیں ہمیشہ برقرار رہیں گی۔ فرمایا گیا۔

عن معاویۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذالک۔

(بخاری مسلم)

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ امر حق پر قائم رہے گی نہ ان کو کسی کا رسوا کرنا، رسوا کر سکے گا اور نہ کسی کا، خلاف انہیں نقصان پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ اسی حالت پر مستقیم ہوں گے۔

دین کی نافعیت تمام قرون میں

حتیٰ کہ اگر امت کو یہ بھی خطرہ پیدا ہو کہ زمانوں کے گزرنے سے گو دین باقی رہے لیکن اس
کی وہ کیفیت اور رسوخ کی شان نہ رہے جو سلف میں تھی تو دین کی صورت ہی صورت
باقی رہ جائے گی جس میں حقیقت نہ ہوگی تو ایسے بے حقیقت دین کا ہونا نہ ہونا برابر

ہوگا اس لئے اس کا بھی اطمینان دلایا گیا کہ امت کی خیریت کسی خاص دور کے طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں خواہ وہ اول کا ہو یا آخر کا، بلکہ دین کی خوبی و خولصورتی وہی اگلی کیفیت و حقیقت اور وہی اصلی خیر و برکت ہر دور میں قائم رہے گی۔

چنانچہ بشارت دی گئی کہ۔

ابشروا و ابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لایدری اخرہ خیر ام اولہ الخ

بشارت حاصل کرو اور خوشخبری لو کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں جانا جا سکتا کہ اس کا اول قطرہ زمین کے لئے زیادہ نافع تھا یا آخر کا۔

(یعنی خیریت اور نافعیت امت کے تمام قرون میں پھیلی ہوئی ہے درجات و مراتب کا فرق ضرور ہوگا مگر اصل خیر ہر مرحلہ پر بدستور قائم رہے گی)

بہر حال ہر صدی کے سرے پر، صدی کے اندر، اور ہر صدی کی ہر ہر ساعت میں ایسی شخصیتوں کے وجود و بقاء کی خبریں اور وعدے لسان نبوت پر دیئے گئے ہیں جو دین کی حفاظت و صیانت کے لئے جارحۂ حق اور وسائط الٰہی ثابت ہوں گی جس سے دین اپنی اصلی صورت و حقیقت اور کیفیت و کمیت کے ساتھ تا قیام قیامت باقی اور محفوظ رہے گا اور کوئی وقت بھی امت پر انقطاع حق کا نہیں گزرے گا۔

دین کی دو اصلیں مگر یہ ظاہر ہے کہ دین کی یہ حفاظت بیرونی اور خارجی وسائل سے متعلق ہے، ذاتی حفاظت یہ ہے کہ خود دین اپنی ساخت پرداخت اور وضع کے لحاظ سے اَنمٹ اور بذاتِ خود محفوظ رہنے کی اسپرٹ اپنے اندر رکھتا ہو اسلامی شریعت اپنے اصول ومبانی اور دلائل وبراہین کے لحاظ سے بذاتِ خود بھی من جانب اللہ محفوظ واَنمٹ ہے جس میں کسی رخنہ اندازی کی گنجائش نہیں۔ یعنی حفاظت دین کی دوسری صورت بھی اختیار کی گئی کہ خود اس کی ذاتی حجۃ کو اَنمٹ بنایا گیا اور اس طرح کہ اس دین کی دو ہی اصلیں ہیں جو مصدرِ شریعۃ اور دین کا سرچشمہ ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ یوں اس دین کی دو اصلیں اور بھی ہیں جن کا نام اجماع اور قیاس ہے جو بلاشبہ واجب الاطاعۃ ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے امت پر تین ہی اطاعتیں فرض بھی فرمائی ہیں۔

اطاعتِ خدا۔ اطاعتِ رسول۔ اور اطاعتِ اولی الامر یعنی راسخین فی العلم کے اجتہادی نظائر کی اطاعت، یا اس قسم کے ہم قرن اہل رسوخ کی اجماع کردہ شئے کی اطاعت جو یقیناً حجت شرعی ہے یہ قیاس اور اجماع کی دونوں اصلیں باوجود حجت شرعیہ ہونے کے تشریعی نہیں بلکہ تفریعی ہیں جو مستقل بالحجۃ نہیں۔ جب تک کہ ان کا رجوع کتاب وسنت کی طرف نہ ہو کیوں کہ ما یجمع علیہ جس پر اجماع کیا جائے، وہی معتبر ہو سکتا ہے جس پر پہلے سے کوئی دلیل کتاب وسنت سے قائم ہو ورنہ مجرد میل اور محض ہوئی سے کسی چیز پر جمع ہو جانا اجماع نہیں درحالیکہ

امت میں ایسا اجماع جو گمراہی پر ہو، ہو بھی نہیں سکتا۔ اسی طرح قیاس کی بعض (یعنی قیاسی تجزیہ) وہی معتبر ہو سکتا ہے جس کا مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے) کتاب وسنت میں موجود ہو اور اس مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی رشتۂ جامعیت بھی ہو جو منصوص کے حکم کو غیر منصوص میں منتقل کر دے پس ان کی تشریعی حیثیت خود اصل نہیں بلکہ کتاب وسنت کے تابع ہے۔ اس لئے دین کی مستقل حجت اور تشریعی اصلیں دو ہی رہ جاتی ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت رسول اللہ۔ گو، بعض علماء نے ایک تیسری چیز اجتہاد نبوت کو بھی مستقل حجت اور مصدر احکام کہا ہے لیکن وہ بھی مستقل بالحجیۃ نہیں۔ کیوں کہ جب کوئی حکم منصوص نازل نہ ہوتا اور بعد انتظار آپ اجتہاد فرماتے تو در صورت صواب بذریعہ وحی یا سکوت رضا آپ کو اس پر مستقر کر دیا جاتا جو حکم میں سنت کے ہو جاتا ورنہ علی الفور تنبیہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا تھا۔ اس لئے اس کا مرجع بھی بالآخر وحی ہی نکلی متلو ہو یا غیر متلو یعنی کتاب اللہ یا سنت نبوی اس لئے مستقل حجتیں وہی دو رہتی ہیں۔ کتاب اور سنت اور جب کہ یہی دو اصلیں تشریعی تھیں جو آخر کی دو تفریعی اصلوں سے بالاتر بلکہ ان کی اساس تھیں تو قرآن کریم نے جس طرح چاروں اصلوں کو وجوب اطاعت میں جمع فرما دیا تھا (جس طرف ابھی اشارہ گزرا) اسی طرح اکثر مواقع پر صرف ان دو اصلوں کو وجوب اتباع میں جمع فرمایا ہے گویا نفس حجیت میں قرآن وحدیث کو مساوی اور متوازی شمار کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ۔

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے عمل کو باطل مت کرو۔

اور کہیں فرمایا۔

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۔

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ڈرتے رہو۔

کہیں ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ۔

اے ایمان والو اجابت کرو اللہ کے حکم کی اور رسول کے حکم کی جب کہ وہ تمہیں بلائیں۔

کہیں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۔

اور کسی مومن اور مومنہ کے لئے اختیار، نہیں رہتا کہ مانیں یا نہ مانیں جب اللہ و رسول کی طرف سے کسی امر میں حکم آجائے۔

ان آیات سے کلام خدا، اور کلام رسول کا مستقلاً حجت شرعیہ ہونا واضح ہے کہ حجت قرآن کے ساتھ ساتھ حجیت حدیث کی بھی روشن دلیل ہے لیکن پھر ان

دونوں اصلوں میں باوجود دونوں کے حجت مستقلہ ہونے کے باہم ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ کتاب حجۃ قاطع ہے اور حدیث سوائے متواتر کے حجت ظنی ہے کیوں کہ حدیث بغیر متواتر کا ثبوت اس درجہ کا نہیں جس درجہ کا قرآن حکیم ہے اس لئے جو درجہ ان کے ثبوت کا ہے وہی درجہ ان کی حجت کا بھی ہے ۔

رسُول نورِ مطلق اور ظلمتِ محض میں واسطۂ وصُول ہے

نیز قرآن حکیم اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے جس کے بغیر قرآن حکیم کے مضمرات اور مرادات کا انکشاف دشوار بلکہ عادۃً ناممکن ہے کیونکہ قرآن کریم اسلام کا صرف بنیادی قانون اور دستور اساسی ہی نہیں بلکہ معجزہ بھی ہے جو اپنے لفظ و معنی اور تعبیر و مفہوم دونوں ہی کے لحاظ سے اعجازی شان رکھتا ہے نہ الفاظ کی ترکیب اور جوڑ بند اور انداز بیان ہی میں اس کا مثل لایا جانا مخلوق سے ممکن ہے اور نہ ہدایت واحکام کی جامعیت علوم و معارف کی گہرائی اور مضامین کی ہمہ گیری ہی میں اس کی نظیر بنالیا جانا ممکن ہے ۔

چنانچہ اس کی تعبیر نے دنیا کو تھکا دیا کہ وہ اس کے چیلنجوں کے باوجود اس کا مثل نہ لا سکی ، ایسے ہی اس کی معنوی وسعتوں اور ہمہ گیر گہرائیوں نے بھی دنیا کو عاجز کر دیا کہ وہ اس جیسی جامع علوم و معارف اور حاوی احکام و اصول کتاب یا اس کے کسی جزو جیسا کوئی جزو لا سکے کہ جس کی ایک ایک تہ اور شکن میں صدہا علوم کے دریا چھپے پڑے

ہیں جو تیرہ صدیوں سے مسلسل نکلتے چلے آرہے ہیں اور ہنوز ان کی تہ یا تہ کا پتہ نہیں۔

حرف حرفش راست اندر معنیٰ

معنیٰ در معنیٰ در معنیٰ

ظاہر ہے کہ اتنے بے شمار اور لفظ لفظ میں سموئے ہوئے علوم و معارف کا اس سے نکال لانا بھی عامۂ خلائق کے فہم سے بالاتر تھا ورنہ اگر بشریت کا دماغ، اور فہم اتنا جامع، اتنا ہمہ گیر، اور اتنا وسیع و عمیق ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان سے ایسے کلام کے بنا لینے یا کسی نہ کسی حد تک اس کے مثل لے آنے کی توقع نہ کی جا سکتی اور یہ بالکل ہی ناممکن ہوتا۔ آخر قرآن کریم جیسا کلام جن و انس مل کر اس لئے تو نہیں لا سکتے کہ ان کے ذہن و ذکا، و فہم و عقل اور علم و ادراک میں وہ لاتحدیدی اور ہمہ گیری نہیں جو ایسے اعجازی کلام کے لئے درکار ہے۔ اس لئے اس تنگیٔ فہم اس محدودیت ذہن اور قلیل و علیل علم میں یہ سکت نہیں کہ وہ قرآن جیسا وسیع و عمیق اور معجزانہ کلام صادر کر سکے سو وہی تنگیٔ فہم اور محدودیت ذہن و فکر یہاں بھی موجود ہے جو اس معجز کلام کے تمام شمولات کے سمجھنے میں اپنے عجز و درماندگی کو نہیں چھپا سکتی اور اس میں یہ گنجائش نہیں نکل سکتی کہ وہ قرآن کے معجزانہ اصولی اور کلی جملوں سے نکلتے ہوئے دقائق و حقائق کا ادراک اور کئی کئی معانی اور وجوہ میں سے مراد اور غیر مراد کا تعین محض اپنے فہم کے بل بوتہ پر بلا کسی رہنمائی کے از خود کر سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے مطالب و مرادات کے بیان کی ذمہ داری خود لے کر اس بارہ میں اپنے رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا ۔ اس حقیقت کو ان الفاظ ، میں بھی لایا جا سکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات پاک لامحدود ہے اسی طرح اس کی صفاتِ کمال بھی لامحدود ہیں ۔ اور ہر بندہ اپنے ظاہر و باطن ، جسم و روح قلب و دماغ ، فکر و فہم ، اور عقل و فراست سب کے لحاظ سے محدود اور متناہی ہے اس لیئے یہ کسی چیز کا ادراک بغیر تحدیدات تعینات اور تشخیصات کے نہیں کر سکتا اور اس کے لئے کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ محدود رہتے ہوئے لامحدود ذات و صفات تک رسائی پالے یا اس کا ادراک و معرفت کرے ، اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان بندوں ہی میں ایک برزخ اور درمیانی طبقہ پیدا فرمایا جو اپنے مخصوص کمال اور مافوق العادت احوال کے لحاظ سے تو ذاتِ حق سے قریب تر اور اس کے کمالات کا نمونہ ہوتا ہے اور اپنے تعینات کے لحاظ سے بندوں میں شامل اور کمال بشریت کا نمونہ ہوتا ہے ۔ ع

ادھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل

یہی طبقہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جماعت ہے جو نورِ مطلق اور انسان جیسے ظلمتِ محض میں واسطۂ وصول و قبول ہے پس جب کہ کمالات ربانی کے نمونے نبی کی ذات قدسی صفات میں ظہور کرتے ہیں تو بندوں کے لئے سہل ہو جاتا ہے کہ اس سے وابستہ ہو کر جس سے وابستگی بوجہ مخلوقیت کے اشتراک کے ممکن ہوتی ہے حسب استعداد خدا تک رسائی پالیں ورنہ بغیر اس کے کمالات

خداوندی کے مشخص اور متعین ہو کر سامنے آنے اور مخلوق کے ان سے وابستہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

فہم حدیث کے بغیر فہم قرآن ممکن نہیں

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ پیغمبر کی زبان سے ہر کلام ہدایت کسی نہ کسی کیفیت سے، صادر ہوتا ہے یہ کیفیات ظاہر ہے کہ نفسانی نہیں ہوتیں جو ہر کس وناکس پر طاری ہو سکتی ہیں بلکہ روحانی و رحمانی ہوتی ہیں اس لئے وہ کلام درحقیقت اسی متعلقہ کیفیت میں ڈوبا ہوا اسی سے سرزد ہوتا ہے اور اسی کا مظہر ہوتا ہے گویا وہ کیفیت ہی الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس کیفیت سے یہ کلام چل کر اسی کیفیت کی طرف لوٹتا بھی ہے جس سے یہ کیفیت قلب میں اور زیادہ مستحکم ہو کر جڑیں پکڑتی ہے گویا اس کلام کے اول و آخر رحمانی اور روحانی، کیفیت چھائی رہتی ہے۔ غور کیا جائے تو اس کلام کی او درحقیقت اسی کیفیت میں چھپی رہتی ہے کیوں کہ کلام کسی نہ کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور، مقصد کسی نہ کسی باطنی کیفیت کا مقتضا ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر کلام کی صحیح مراد کو وہی پا سکتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک اس کیفیت سے آشنا اور اس سے ہم آہنگ ہو عاشق کی مراد کو عشق آشنا ہی پوری طرح جان سکتا ہے۔ عالم کی مراد کو علم آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔ صناع کی مراد صنعت آشنا ہی پوری طرح پا سکتا ہے۔ اس لئے کلام رب کو رب آشنا ہی کسی نہ کسی حد تک پا سکتا ہے جو ربانی کیفیات

سے کسی حد تک مانوس ہو۔ ورنہ بے کیفیت اور ناآشنا ممکن ہے کہ کلام کے لغوی مفہوم اور معنی اول تک پہنچ جائے لیکن متکلم کے صحیح منشاء و مراد تک اس کیفیت سے مانوس ہوئے بغیر پہنچنا عادت کے خلاف ہے چہ جائیکہ وہ لوگ جو ان کیفیات کی مضاد اور ضد کیفیات سے مانوس اور ان میں غرق ہوں تو عادۃً وہ مراد کو سمجھانے سے بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے جس سے ادراکِ مراد کا حق ادا ہو جائے اور اگر اتفاقاً وہ الفاظ کی مدد سے کسی حد تک مرادِ حق پر مطلع بھی ہو جائیں تو اس کیفیت کے بغیر اس میں مبصر نہیں بن سکتے جس سے اس کی مخفی حقائق ان پر کھل سکیں اور ان حقائق میں مضمر شدہ احوال ان پر طاری ہو سکیں جن سے حقیقی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے اور آدمی مبصر بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات اور ان میں بھی، بالخصوص صفتِ علم اور اخص خصوص صفت کلام جو اس کے علوم کی ترجمان اور معبّر ہے اور اس کا مظہر اتم قرآن حکیم اپنی اصولیت کلیت کمال جامعیت اور ان شئون الٰہیہ سے بھرپور ہونے کی وجہ سے جن سے یہ کلام سرزد ہوا ہے ذات ہی کی طرح، لامحدود الحقائق، لامحدود المعارف اور لامحدود المطالب ہے جو ایک نوع نہیں بلکہ ماضی و مستقبل اور حال کی ہزارہا انواع علوم پر حاوی اور شامل ہے۔

فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل۔ من	اس میں تم سے پہلوں کی باتیں ہیں اور پچھلوں کی خبریں ہیں اور درمیانی حال کے احکام ہیں وہ یقینی چیز ہے مذاق،

ترکه من جبار قصمه الله
ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله
الله وهو حبل الله المتین وهو
الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم
وهو الذی لا تزیغ به الاهواء
ولا تلبس به الالسنة ولا تشبع
منه العلماء ولا یخلق عن
کثرة الرد ولا تنقضی عجائبه
وهو الذی لم تنته الجن اذا
سمعته حتی قالوا انا سمعنا
قرآناً عجباً یهدی
الی الرشد فامنا به من قال
به صدق ومن عمل به
اجر ومن حکم به عدل و
من دعا الیه هدی الی
صراط مستقیم خذها
الیک یا اعور ۔

نہیں۔ جس متکبر نے اسے چھوڑا اس
کی گردن خدا نے توڑ دی، اور جس نے
ہدایت اس کے سوا ریں ڈھونڈی اس
کو خدا نے گمراہ کر دیا، وہ اللہ کی مضبوط
رسی ہے وہ حکیمانہ یاد داشت ہے وہ
سیدھا راستہ ہے، وہ وہ چیز ہے کہ
اس سے دلوں کے میلانات ٹیڑھے،
نہیں ہوتے اور زبانیں مشتبہ نہیں
ہوتیں اور اس سے علماء کبھی سیر نہیں،
ہوتے وہ کثرت تلاوت سے پرانا نہیں
پڑتا اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو
سکتے وہی ہے کہ جب جنات جیسی،
سرکش قوم نے اسے سنا تو سرکشی سے اکدم
رک گئے اور یہی کہتے بن پڑا کہ ہم نے
عجیب کلام سنا ہے جو بزرگی کی طرف
لے جاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لے آئے
حقیقت یہ ہے کہ جو اسے زبان پر لایا

(ترمذی عن حارث الاعور)

اس نے سچ کہا جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر ملا جس نے اس کے ساتھ حکم کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے سیدھے سچے راستے کی ہدایت ہوئی۔ سوائے اعور! اسے مضبوطی سے تھام لے۔

اتنا جامع ہمہ گیر اتنا وسیع العلم کلام جو ماضی کی خبروں مستقبل کی اطلاعوں اور حال کے احکام کو سمیٹتے ہوئے جس کا بولنا سچائی ہو، عمل اجر ہو حکم عدل ہو، دعوت ہدایت ہو، اور جس کے عملی عجائبات کی کوئی حد و نہایت نہ ہو علماء کا کبھی اس سے پیٹ نہ بھرے، جس کی تعبیرات اصولیت وکلیت کی انتہاء پر پہنچی ہوئی ہوں جن کے لفظ لفظ سے حقائق و معارف ٹپکے پڑ رہے ہوں، جس کی تعبیر ایسی حکیمانہ ہو کہ اس کی عبارت سے الگ الگ علوم واحکام نکلیں اور اس کی دلالت اشارت سے الگ معارف الٰہیہ پیدا ہوں اور اقتضاء سے الگ پھر اس کی آیات بینات علاوہ محکم اور ظاہر وصریح آیات کے باطنی اسرار کی آیات الگ ہوں جو اس کی نوع بنوع اعجازی فصاحت و بلاغت کی غمازی کر رہی ہوں کوئی آیت خفی ہے کوئی مجمل کوئی مشکل ہے اور کوئی کنایہ پھر ان ظواہر و بواطن کے ساتھ باطنی، کیفیات اور دقائق نفس پہ الگ مشتمل ہوں اور نفسیات پہ الگ دیانات پہ

الگ اور سیاسیات پر الگ سو لیے محیر العقول اور اعجازی کلام سے معانی نکالنا
مطالب اخذ کرنا، اور شئون روحانیت سے آشنا بن کر مراد خداوندی کو غیر مراد سے
متمیز کر کے سمجھنا ظاہر ہے کہ بلا خدائی رہنمائی کے ممکن نہ تھا اور اس کے سوا اور
کوئی صورت نہ تھی کہ کوئی ایسا کلام اس کی تفہیم کا واسطہ بنے جس کا متکلم تو ہم
قریشیوں میں سے ہو لیکن اپنے قلب صافی اور دماغ عالی کی جہت سے عرشیوں
میں سے ہو۔ وہ اس کلام سے متعلقہ شئون الٰہیہ کے عکوس وظلال سے بھرپور ہو
ان کیفیات سے پوری طرح آشنا اور ان کے رنگ میں رنگا ہوا ہو جن سے یہ کلام
حق نکل کر اس تک پہنچا ہے ساتھ ہی مؤید من اللہ ہو اور خدا نے ہی اسے اپنی
مراد سمجھائی ہوئی اور وہی اس کے ظاہر و باطن کی تربیت فرما کر اس کے دل و دماغ
کو اپنے اس معجز کلام سے ہم آہنگ بنائے ہوئے ہو جس سے وہ ان جامع مطالب
کی تشخیص و تعیین کر کے انہیں ہمارے محدود ذہنوں کے قریب کر دے۔ ظاہر ہے
کہ وہ کلام خدا ہی کے رسولؐ کا کلام ہو سکتا تھا جس نے اولاً خود کلام الٰہی کو اللہ سے
سنا اور اس کی رہنمائی سے سمجھا اور اسی ذوق و کیفیت سے اپنے مخاطبوں کو سمجھایا
اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ رسولؐ اور کلام رسولؐ اتارا تاکہ تلاوت
آیات کے بعد تعلیم و تربیت کے ذریعہ جو عادۃً کلام اور افہام و تفہیم ہی سے ممکن ہے
ان کیفیات میں ڈوبے ہوئے معانی کو قلوب سے قریب کیا جائے جس کی صورت
عادۃً یہی ہو سکتی تھی کہ لب و لہجہ سے، ہیئت کذائی سے ماحول کے عرفی مقتضیات

سے، اور سامعہ ہی بتوسط الفاظ قلبی تاثیر و تصرف سے اس مراد کو نفوس میں اتارا جائے اور نہ صرف اتارا ہی جائے کہ مرادِ حق دلوں میں اتر اتر کر غیر مراد کے تصور کی، بھی نفس میں گنجائش باقی نہ رہے نظر بوجوہ بالا کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح ذاتِ خداوندی تک بلا رسول کے واسطہ کے ہماری رسائی ناممکن تھی اسی طرح کلامِ خداوندی تک بلا کلامِ رسول ہمارے فہموں کی رسائی ناممکن تھی۔

قرآن کریم کے نزول اور شرح و بیان کی ذمہ داری

جس طرح حق تعالےٰ نے اپنا قانون اور کلام خود ہی اتارنے کا ذمہ لیا کہ مخلوق خود ویسا جامع اور اٹل قانون بنانے پر قادر نہ تھی اسی طرح اس کے شرح و بیان کی ذمہ داری بھی حق تعالیٰ نے خود ہی لی کہ مخلوق بلا بتلائے اس کے ضمائر اور مخفیات و مرادات کو از خود پا لینے پر قادر نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ نزول وحی کے وقت اول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم وحی الٰہی کے الفاظ کو یاد رکھنے کے لئے بار بار زبان سے رٹتے اور تکرار فرماتے تاکہ ذہن میں الفاظ وحی جم جائیں تو حق تعالےٰ نے تکرار لسان سے بایں عنوان روکتے ہوئے کہ۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به | اے پیغمبر اپنی زبان مت ہلاؤ جلدی کو

اور پھر قرأت حق کو محض سنتے رہنے کی ہدایت بایں عنوان فرماتے ہوئے کہ۔

فاذا قرأناه فاتبع قرأنه ؕ | جب ہم اس قرآن کو پڑھیں تو آپ سنتے رہیں

ذمہ دارانہ ارشاد فرمایا۔

ان علینا جمعہ و قرانہ۔	ہمارے ذمہ ہے اس قرآن کا آپ کے سینہ میں، جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے اسے پڑھوا دینا۔

یہ ذمہ داری ظاہر ہے کہ وحی کے الفاظ کو سینۂ نبوی میں محفوظ کر دینے سے متعلق تھی کیونکہ پیغمبر کی زبان کی حرکت اور قرأت حق نیز پیغمبر کا اسے سنتے رہنے کا تعلق الفاظ ہی سے ہو سکتا ہے معنی سے نہیں، معنی نہ رٹنے کی چیز ہے نہ قرأت کی اور نہ سننے کی۔ اس لئے الفاظ وحی کے بلاکم وکاست سینۂ نبوی میں اتار دینے اور محفوظ کر دینے کی ذمہ داری تو اس آیت سے ثابت ہو گئی۔

اس کے بعد الفاظ وحی کے معنی ومطالب کا درجہ تھا تو انہیں بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم پر نہیں چھوڑا گیا یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ آیات قرآنی کو سامنے رکھ کر غور فرماتے ہوں کہ اس آیت کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے اور ایک یہ، اور ان میں سے فلاں مطلب چونکہ الفاظ پر زیادہ چسپاں ہے اس لئے یہی مراد خداوندی ہو گا۔ نہیں بلکہ بیان مراد اور معانی قرآن کے کھول دینے کا ذمہ خود حق تعالیٰ ہی نے لیا، اور فرمایا۔

ثم ان علینا بیانہ،	پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس قرآن کا بیان

ظاہر ہے کہ یہ بیان اس قرأت کے سوا ہی کوئی چیز ہو سکتی ہے جس کا ذمہ اس،

آیت کے پہلے ٹکڑے میں لیا گیا تھا۔ تو اس دوسرے ٹکڑے کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی، پھر یہ کہ الفاظ کے سنا دینے کو بیان کہتے بھی نہیں قرأت کہتے ہیں۔ بیان کسی مخفی یا مبہم یا غیر معلوم بات کھول دینے کو کہتے ہیں جو علم میں نہ ہو سو الفاظ جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم سن چکے اور آپ کے علم میں آچکے تو ان کے کھول دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں بن سکتے کہ یہ علاوہ محاورۂ ولغت کے غلط استعمال کے تحصیل حاصل بھی ہوگا جسے محال کہا جاتا ہے اس لئے لامحالہ بیان کا تعلق لغت محاورہ اور عقل کی رو سے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ الفاظ کے بعد معانی و مرادات ہی رہ جاتے ہیں جو الفاظ سن لینے کے باوجود بھی مخاطب پر مخفی رہ سکتے ہیں اس لئے متعین ہو جاتا ہے کہ بیان کا لفظ معانی و مطالب کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ وہ لغتاً بھی معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے اس لئے حاصل یہ نکلا کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے معانی سمجھانے کا ذمہ بھی خود لیا۔

مطالب قرآنی پہ کوئی حاکم نہیں

جس سے واضح ہو گیا کہ قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں من جانب اللہ ہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دونوں میں مدعی نہیں بلکہ ناقل اور امین ہیں یعنی نزول الفاظ، جمع الفاظ حتیٰ کہ اقراء الفاظ بھی ادھر ہی سے ہوا اور بیانِ معانی شرح مطالب اور تعیین مراد بھی ادھر ہی سے ہوا ظاہر ہے کہ جب پیغمبرؐ کو بھی

معانی و مرادات کے سمجھنے میں بیان حق کے تابع رکھا گیا جس پر کہ خود قرآن اترا تو امت کی کیا مجال تھی کہ اس کے فہم کو مطالب قرآنی پر حاکم بنا کر آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ سلسلہ معانی میں مدعی یا مجتہد بن بیٹھتی اس لئے اسے بھی حق تعالےٰ نے فہم مرادمیں بیان حق ہی کا تابع رکھا اور وہی بیان جو اپنے پیغمبر کے سامنے خود حق تعالےٰ نے دیا تھا جس سے آپ نے مرادات ربانی کو سمجھا تھا اسی بیان کی نقل و روایت کا ذمہ اپنے پیغمبر پر عائد فرما دیا کہ وہ امت کو اس بیان سے یہ مرادات ربانی سمجھائیں اور تعلیم کر دیں ۔ فرمایا ۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون	اور ہم نے اتارا تمہاری طرف (اے پیغمبر) ذکر (قرآن) تاکہ تم اسے لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کر دو جو ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ خود بھی تفکر کر سکیں ۔

گویا تفکرات کا درجہ بھی فہم مراد کے بعد رکھا گیا تاکہ تفکر کا تعلق تعین مراد سے نہ رہے بلکہ اس بیان کے ذریعہ متعین شدہ مراد کے دائرہ میں محدود رہ کر فکر اپنا کام کرے تاکہ اس تفکر سے مرادات خداوندی ہی کے حقائق و لطائف کھلیں غیر مراد چیزیں محض لفظوں کی آڑ لے کر پیدا نہ کی جائیں کہ وہ معارف الٰہیہ نہ ہوں گے بلکہ تخیلات نفسانیہ اور اوہام ردیہ ہوں گے جو ناقابل التفات، فلسفہ ہو گا، حکمت نہ ہوگی ۔ دوسری جگہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ۔

وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیہ ،

اور ہم نے یہ کتاب تم پر (اے پیغمبر) نہیں اتاری مگر اس لئے کہ تم کھول کر بیان کردو ان باتوں کو جن میں لوگ جھگڑے اور اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں ۔

ظاہر ہے کہ یہ جھگڑا یا تو خود قرآن کے بارے میں ہوگا کہ اس کی آیت کے معنی میں اختلاف ڈالیں اور جھگڑے میں پڑ جائیں ، یا معاملات میں ہوگا جس میں ہر فریق اپنے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآن ہی سے سند لانے کی کوشش کرتا ہو اور اس طرح معاملہ کے حکم میں اختلاف پڑ جائے دونوں کا قرار واقعی علاج بیانِ رسولؐ کو بتلایا گیا جس سے معنی اور معاملہ کا ایک رخ متعین ہو جائے پس یہ بیان دو مختلف باتوں میں ترجیح اور تشخیص کا کام دیگا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ بیان اس قرآن سے الگ ہو اگر وہ بعینہ وہی قرآن ہو تو جب کہ لوگوں نے خود اسی میں جھگڑا ڈالا ہوا ہے تو ان جھگڑالو لوگوں کے لئے وہی مختلف فیہ معنی فیصلہ کیسے بن سکیں گے اس لئے نبی کے بیان کو بیان الٰہی ہے قرآن کے علاوہ ایک حقیقت کہا جائے گا جو ان مختلف پارٹیوں افراد کے سوچے سمجھے مختلف معانی کے حق میں مرجح ہوگا جس سے اختلاف چک جائے گا اور فیصلۂ حق سامنے آجائے گا ۔

حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ بیان رسول
اس قرآن سے الگ کوئی چیز ہے جو قرآن
کے حقائق اور اوجھل شدہ معانی کو متعین طریق پر کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے
اور جب کہ وہ نکلا ہوا اسی نور سے ہے جس سے قرآن نکلا تو اس میں اس نور
کو نمایاں کرنے کی جو قوت ہوگی وہ کسی دوسرے کلام میں نہیں ہو سکتی پس،
اسی بیان کا نام خواہ وہ قولی ہو یا عملی سکوتی ہو یا تقریری قرآن کی اصطلاح
میں بیان ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی اصطلاح میں اس کا،
نام حدیث یا سنت ہے جو حدّثوا عنی یا علیکم بسنتی سے
مفہوم ہوتا ہے یہ بیان مبہمات قرآنی کے لئے ایضاح ہے مجملات قرآنی کے
لئے تفصیل ہے، مشکلات قرآنی کے لئے تفسیر ہے مخفیات قرآنی کیلئے اظہار
ہے، کنایات قرآنی کے لئے تصریح ہے جس کے بغیر اختلافات کا فیصلہ اور،
مرادات خداوندی کی تعیین کی کوئی صورت نہیں اس لئے مجموعہ حدیث نبوی
مجموعۂ قرآن کے لئے یا ہر ہر حدیث نبوی الگ الگ کسی نہ کسی آیت کے لئے بیان
ہے اور آیتوں کے مضمرات چونکہ مختلف انواع ہیں اس لئے ان کے یہ بیانات
مختلف الانواع ہیں اور اس لئے ان کے اصطلاحی نام بھی جدا جدا ہو گئے مثلاً
اگر آیت و روایت کا بعینہٖ ایک ہی مضمون ہے تو حدیث کو بیان تاکید کہا جائے
گا۔ اگر آیت کے مختلف محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا

ہے تو بیان تعیین کیا جائے گا اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے
مبہم ہے جسے حدیث نے مشخص کیا ہے تو بیان تقریر کہا جائے گا۔ اگر آیت
کے کسی اجمال کو حدیث نے کھولا اور پھیلایا ہے تو بیان تفصیل ہوگا اگر آیت
کے کسی چھوڑے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصہ کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمہ
کو حدیث نے اس کے ساتھ ملا دیا تو بیان الحاق کہا جائے گا، اگر آیت کے
حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی ہے تو بیان توجیہہ کہا جائے گا، اگر آیت کے
کسی کلیہ کا کوئی جزیہ حدیث نے ذکر کر دیا ہے تو بیان تمثیل ہوگا، اگر حکم آیت
کی علت حدیث نے واضح کی ہے تو بیان تعلیل کہا جائے گا، اگر کسی قرآنی
حکم کے خواص و آثار حدیث نے کھولے ہیں تو بیان تاثیر کہا جائے گا، اگر کسی
حکم آیت کی حدود حدیث نے واضح کی ہوں تو بیان تحدید کہا جائے گا، اگر
کسی عام کا کوئی فرد مشخص کر دیا ہو تو بیان تخصیص کہا جائے گا، اگر آیت کے
کسی جُزیہ کے مشابہ کوئی جزیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا ہو
تو بیان قیاس کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے
کوئی جزیہ مستنبط کر کے پیش کیا ہے تو بیان تفریع کہا جائے گا اور اگر قرآن
کے کسی جزیہ سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا ہو تو بیان استخراج کہا
جائے گا وغیرہ وغیرہ جن کی مثالیں طول کے خیال سے نقل نہیں کی گئیں، غرض
حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے اور بیان کی مختلف انواع ہیں جو نوعیت مضامین

کے لحاظ سے مشخص ہوتی ہیں اور انہی کی مناسبت سے اس بیان کا نام اور عنوان مشخص ہوتا ہے۔

کتاب وسنت کا مابینی ربط اور اسکا فہم

اب یہ کام مجتہد یا راسخ فی العلم کا ہے کہ سنت کے ان بیانات کی نوعیت کا پتہ چلا کر اسی کے مناسب اس بیان کو کتاب اللہ کی طرف رجوع کر دے اور اس بیان کو اس سے ماخوذ ثابت کر دے مگر اس میں نہ ہر کس وناکس کا فہم معتبر ہے نہ ہر ایک کو یہ علمی قوت حاصل ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مابینی علاقہ اور رابطہ کا پتہ چلا کر اس پر حکم لگائے یہ کام ارباب استنباط اور اصحاب تفقہ واجتہاد کا ہے کہ وہ اس غامض علم پر بتوفیق خداوندی مطلع ہوں اور عوام علماء کو مطلع کریں۔

حدیث بحیثیت حجت مستقل

بہر حال جس قدر بھی حدیثی احکام ہیں وہ در حقیقت قرآن ہی سے ماخوذ اور اسی کا بیان ہیں البتہ ان کی خاص نوعیت کی وجہ سے ان میں دو جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک جہت تابع قرآن ہونے کی ہے سو اس جہت سے اس کا نام بیان قرآن ہوگا گو اس بیان اور قرآن کا درمیانی واسطہ دقیق ہو اور بغیر عمیق علم کے ہر ایک پر نہ کھلے دوسری جہت اس کی تشریع احکام کی ہے اس کی رو سے حدیث ایک مستقل مصدر تشریع اور شریعت کی حجت مستقلہ ثابت ہوگی اس لئے جن نصوص سے حدیث

کا بیان ہونا واضح ہوتا ہے ان سے تو حدیث کی تابعیت اور فرعیت کی شان نمایاں کی گئی ہے اور جن نصوص سے حدیث مصدر تشریع ثابت ہوتی ہے ان سے اس کے احکام کو مثل احکامِ قرآن بتلا کر حدیث کا قرآن کے مماثل حجتِ شرعیہ ہونا واضح کیا گیا ہے جیسے حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

الا انی اوتیت القرآن ومثله معه ؛	خبردار رہو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا ہے، (ابوداؤد)

اور فرمایا گیا۔

وانما حرم رسول الله کما حرم الله۔	اور تحقیق رسول اللہ نے بعض چیزیں حرام کی ہیں جیسے اللہ نے حرام کیں۔

اس سے تشریعی طور پر حدیث کی استقلالی شان واضح کی گئی ہے رہا یہ پہلو کہ بعض وہ احکام جو احادیث میں ہیں اور قرآن میں نہیں جیسے مقدام بن معدی کرب کی حدیث میں آپ نے حجیت حدیث اور اس کی مستقل تشریعی شان کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا کہ حمارِ اہلی کی حرمت قرآن میں نہیں اسے رسول اللہ نے حرام کیا ہے یا درندوں کے گوشت کی حرمت کلام اللہ میں نہیں کلام رسول، میں ہے وغیرہ وغیرہ جن سے حدیث کی نہ صرف مستقل شان تشریع ہی قرآن سے الگ ہو کر ثابت ہوتی ہے بلکہ بظاہر بعض احکام کا قرآن سے علاقہ بھی ثابت نہیں ہوتا جو بظاہر حدیث کے بیانِ قرآن ہونے کے منافی اور سابقہ دعویٰ کے خلاف

ہے جس میں تمام احادیث کے بیان قرآن ہونے کا ادعیٰ کیا گیا تو جواب یہ ہے
کہ یہ روایت اور یہ احکام حدیث بھی بیان قرآن ہونے سے نہیں نکل سکتے کیونکہ
اس قسم کی روایات کے احکام گو جزوی طور پر کسی خاص آیت پر نظر نہ پڑیں مگر وہ
کلی طور پر آیت کے ذیل کے بیان ثابت ہوں گے جسے قرآن نے ایک مستقل
اصول کی حیثیت سے بیان فرما دیا ہے ۔

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ،	جو رسول لاکر دیں اس کو لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ ۔

پس اس قسم کے تمام احکام جن کو اللہ کے رسول نے مشروع فرمایا ہے درحقیقت
اس مذکرہ آیت کا بیان واقع ہو رہے ہیں جس میں رسول کو خود احکام دینے کی
ہدایت دی گئی ہے اور تشریع رسول کو تشریع الٰہی کے متوازی قرار دیا گیا ہے
گویا اوپر کی دو ذکر کردہ حدیثیں درحقیقت اس آیت کا بیان واقع ہو رہی ہیں
اور اس طرح حدیث نبوی کے دیئے ہوئے مستقل احکام سب اسی آیت کے نیچے آ
کر بیان قرآن ثابت ہو جائیں گے ۔ چنانچہ سلف صالحینؒ اور صحابہ کرامؓ ایسے
مستقل حدیثی احکام کو اسی آیت کی رو سے قرآنی احکام اور بیان قرآن کہتے تھے
سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑھیا نے کہا کہ آپؓ
گودھنے والی عورت پر لعنت کرتے ہیں حالانکہ قرآن میں گودھنے کی ممانعت کہیں
بھی نہیں ہے ۔ فرمایا کاش تو قرآن پڑھی ہوتی ، کیا قرآن میں یہ آیت نہیں ہے

کہ جو رسول لاکر دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ کہاں
یہ تو ہے، فرمایا کہ بس اسی کی رو سے رسول نے واشمہ و گودھنے والی، پر لعنت کی
اور اس فعل قبیح سے روکا، تو یہ حکم رسول اس آیت کا بیان ہو کر قرآنی حکم ہو گیا
یا جیسے امام شافعیؒ نے ایک بار حرم مکہ میں بیٹھ کر علمی جوش میں فرمایا کہ آج میں
ہر سوال کا جواب قرآن سے دوں گا، تو کسی نے حرم میں قتلِ زنبور (تتیا مارنے) کا
حکم پوچھا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ (جو امام شافعیؒ کا مذہب ہے)، فرمایا آیت،
ما اتاکم الرسول سے۔ تو حکمِ رسول کا ماننا واجب نکلا اور حدیث اقتدوا
باللذین من بعدی ابی بکر و عمر، میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدار کرو، سے
سیدنا حضرت ابوبکر و سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حکم کا ماننا واجب نکلا، اور
سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یقتل الزنبور فی الحرم (حرم میں
تتیا، بھڑ، ٹڈی ماری جا سکتی ہے)، اس لئے یہ قتلِ زنبور کا حکم بیک واسطہ آیت،
ما اتاکم الرسول، کا بیان ثابت ہو کر قرآنی حکم ثابت ہوا۔

بہر حال حدیث کی دو جہتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک بیان قرآن ہونے کی جو
اس کے تفریعی ہونے کی دلیل ہے، اور ایک اس کے مستقل حجت ہونے کی جو مخفی
رشتہ سے گو بیان قرآن بھی ہو مگر جلی طور پر وہ حکم رسول اور حکم حدیث ہے جو جہت
میں اس کے مماثل قرآن ہونے کی جہت ہے۔ اس لئے حدیث میں ان دو پہلوؤں
کے لحاظ سے دو شانیں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک اصل ہونے کی اور ایک فرع

ہونے کی ، سو وہ قرآن کے لحاظ سے تو فرع مانی جاوے گی کہ وہ اس کا بیان ہے اور تابع اصل ہوتا ہے اور اجتہادی فقہوں کے لحاظ سے اصل مانی جاوے گی۔ کہ احکام اس سے ماخوذ بھی ہیں اور اس سے شرح شدہ بھی ہیں۔ اس طرح ، حدیث ایک برزخ کبریٰ ثابت ہوئی جو قرآن سے علم لیتی ہے اور فقہ کو دیتی ہے۔ اگر حدیث درمیان میں نہ ہو تو فقہ کا کوئی جوڑ براہِ راست قرآن سے نہیں لگ سکتا ، اور مفہوم بھی نہیں ہو سکتا۔

قرآن اور فقہ کیساتھ حدیث کا ربط

اسی بنا پر امت میں حدیثِ نبویؐ کی جو اہمیت تسلیم کی گئی ہے وہ کسی علم کی نہیں کیوں کہ وہ قرآن کی تو تفسیر ہے اور فقہ کا متن ہے اس لئے حدیث کے بغیر نہ قرآن حل ہو سکتا ہے نہ فقہ بن سکتا ہے اس لئے املاء حدیث کی ، مجلسیں اور حدیث سنانے کی محفلیں جس دھوم دھام سے اسلامی حلقوں میں منعقد ہوئیں دنیا کی کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی کہ اپنے رسول کے ، کلام کو اس تحفظ اور تیقظ کے ساتھ کسی قوم نے محفوظ کر دکھایا ہو ، اور اس سے نوع بنوع مسائل اور شرائع اور علوم کا استنباط کیا ہو۔ حدیث کے بارے میں یہ دھوم دھام درحقیقت قرآن فہمی کی دھوم دھام تھی اور ساتھ ہی ساتھ فقہ سازی کی دھوم دھام بھی تھی جو فقہ ، قرآن وحدیث کے اجمالات کی ، تفصیل اور کتاب وسنت کے تخم سے نکلا ہوا ایک شجرۂ طیبہ ہے جس کی جڑ

قرآن ہے بنیادی تنا اور ساق جس پر درخت کھڑا ہوا ہے حدیث ہے اور پھول پتیوں کا پھیلا ؤ فقہ اور مستنبطات ہیں سر دست اس سے بحث نہیں کہ فقہی اور اجتہادی مسائل کی اسلام میں کیا نوعیت ہے اور اس کا حکم کیا ہے ؟ بلکہ صرف فقہ کے نشو ونما اور وجود پذیر ہونے کی نوعیت پر روشنی، ڈالنی ہے کہ وہ حدیث کا نتیجہ اور قرآن کا ثمرہ ہے لیکن یہ نتیجہ اور ثمرہ بلا واسطہ حدیث وجود پذیر ہونا ممکن نہ تھا اس لئے حدیث دو بعید چیزوں کو باہم ملا دیتی ہے یعنی کلام مجتہدین کو کلام رب العالمین سے مربوط کر دیتی ہے پس جسطرح اللہ اور بندوں کے درمیان رسول واسطہ ہیں کہ انکے بغیر بندے خدا تک نہیں، پہنچ سکتے ،اسی طرح کلام خدا اور کلام اجتہاد و استنباط کے درمیان کلام رسول واسطہ ہے کہ اس کے بغیر کلام عباد کو کلام خدا سے کوئی سند نہیں مل سکتی ، اس لئے جو طبقہ بھی حدیث کو ترک کر دے گا نہ وہ قرآن تک پہنچ سکے گا نہ فقہ تک گویا اس کے ہاتھ میں دین کی کوئی بھی اصل اور حجت باقی نہ رہے گی اور وہ محض اپنے نفسانی تخیلات کا بندہ ہو گا جنہیں اغوا شیطانی سے اس نے ، فرمان خدا وندی سمجھ رکھا ہو گا حالانکہ اس میں کلام خدا اور کلام رسول تو بجائے خود کلام فقہا تک کے سمجھنے کی بھی اہلیت نہ ہو گی ۔

سند میں کلام کی گنجائش اور حجیت حدیث سے انکار

بہر حال حدیث نبوی دین کے لئے حجت شرعی، تفریعی مسائل کے لئے ماخذ اور قرآن کے لئے واضح ترین بیان اور شرح ہے حدیث اپنے ثبوت کے لحاظ سے ظنی سہی مگر اپنی ذاتی نوعیت کے لحاظ سے قرآن کی طرح قطعی ہے اس میں ظنیت اگر آئی ہے تو حدیث ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ سند کے سلسلے سے آئی ہے اگر یہی حدیثی حکم ہمیں بلا واسطہ خود حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم بالمشافہ، دیتے تو اس کی اطاعت اسی طرح فرض ہوتی جس طرح قرآنی حکم کی، اس قطعیت میں اگر فرق پڑا ہے تو کلام رسول ہونے کی جہت سے نہیں بلکہ درمیانی وسائط کی وجہ سے جس سے اس کا حکم رسول ہونا قابل غور ہوا کہ نہ حکم رسول کا ماننا، قابل تامل ہوا کیونکہ اس کے ماننے کی قطعیت تو ما آتاکم الرسول سے ثابت شدہ ہے جس کا ماننا قرآن کا ماننا، اور جس سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرنا ہے۔ نیز اس کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہے من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ اس لئے اطاعت رسول سے انکار اطاعت خداوندی سے انکار ہے، جس سے دونوں کا ماننا قطعیت کے ساتھ فرض ٹھہرتا ہے اس لئے بحث، حدیث کی نہیں بلکہ سند اور روایات کی ہے پس اگر اس کی سند و روایت اسی، نوعیت کی ہیں جو نوعیت قرآن کی روایت کی ہے تو بلا شبہ وہ حدیث مورث

یقین بن جائے گی جیسے حدیث متواتر کہ اس کا ماننا فرض قطعی ہوگا اور اگر سند اور ثبوت میں کسی شبہ کی گنجائش پیدا ہو جائے تو حدیث موجب ظن ہوگی، اس لئے اصولاً انکار حدیث یا انکارِ حجیتِ حدیث کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ سند میں کلام کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، سو وہ حدیث یا حجیت حدیث کا انکار نہیں۔ اگر کوئی اس گنجائش کی وجہ سے حدیث سے انکاری ہے تو وہ دھوکہ میں ہے کیوں کہ اس گنجائش کا اثر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ سند کے بارے میں چھان بین کیجائے اور جس درجہ کی سند ہو اسی درجہ کی حدیث سمجھی جائے نہ یہ کہ حدیث یا اس کی حجیت سے انکار کر دیا جائے پس اس سے حدیث کے حجت ہونے کے درجات یا اس کی حجت سے درجات متفاوت نکلیں گے یعنی جس درجہ کی سند ہوگی اسی درجہ کی حدیث ہوگی اگر سند حدیث کے رجال سب کے سب اصول فن کے لحاظ سے ثقہ اور عادل وضابط ہوں گے اور ساتھ ہی مسلسل اور متصل ہوں تو حدیث واجب القبول ہو جائے گی ورنہ اس درجہ کی نہ گی ظاہر ہے کہ سند میں کلام کی گنجائش ہونے کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ یہ حدیث قطعی نہیں یا ثابت نہیں نہ یہ کہ حدیث حجت نہیں یا کلام رسول حجت نہیں ہو سکتا یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ راستہ کی خرابی کی وجہ سے اگر کوئی شخص منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے تو کہدے کہ منزل ہی غیر موجود یا معدوم ہو گئی، ایسے شخص کو مالیخولیا کا مریض کہہ کر پاگل خانہ بھیجا جائے گا نہ کہ اس کی جوابدہی کی فکر کی جائے گی

اس لئے ضعفِ سند وغیرہ کی وجہ سے اصولاً تو انکارِ حدیث کی گنجائش نہیں نکلتی زیادہ سے زیادہ اس سندِ خاص کے انکار کی گنجائش نکل آتی ہے جو اہل فن کی رائے میں مجروح ہو سو وہ انکارِ حدیث نہیں تنقیدِ سند ہے۔

کلامِ رسول کے اثبات و تحفظ میں قرآن کا اہتمام

اس سے بھی زیادہ دانشمندی یہ ہے کہ حدیث کا انکار قرآن کے سر رکھ کر کیا جائے حالانکہ قرآن اسے بیانِ قرآن کہہ رہا ہے اس بیان کو اہمیت دے رہا ہے اس کے بارے میں خدا کی ذمہ داری دکھلا رہا ہے اور پھر خدا ہی کی طرف سے اس ذمہ داری کو رسول کے سر عائد کر رہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حدیث کے انکار کی گنجائش نہ تو اس کی سند کی وجہ سے ہو سکتی ہے کیونکہ ضعفِ سند کی صورت میں زیادہ سے زیادہ گنجائش اس سندِ خاص کے انکار یا اس پر تنقید کی نکلتی ہے جسے انکارِ حدیث نہیں کہا جا سکتا تنقیدِ سند کہا جائے گا ان دونوں کو ملا کر خلط ملط کر دینا عقل کے مختلط ہونے کی علامت ہے اور نہ ہی حدیث کے انکار کی گنجائش قرآن کی آڑ لے کر ہو سکتی ہے جب کہ قرآن اسے اپنا بیان کہہ کر اس کے ساتھ خدائی ذمہ داری دکھلا رہا ہے۔ بہر حال کلامِ رسول کے اثبات و تحفظ میں قرآن کا یہ اہتمام دیکھتے ہوئے اسی قرآن کو کلامِ رسول کی نفی کی دلیل سمجھ لیا جانا مالیخولیا سے بھی کچھ آگے ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ نیز اسی طرح حدیث کا انکار اس وجہ سے کیا جانا کہ اس میں درمیانی

روایت کا واسطہ آگیا ہے اس سے بھی زیادہ دانش مندی کی دلیل ہے کیونکہ اس مصنوعی اصول سے تو قرآن کا اقرار و تسلیم بھی باقی نہیں رہ سکتا کیوں کہ وہ بھی تو ہم تک بوسائط ہی پہنچا ہے۔ اسی طرح اگر اس وجہ سے حدیث کا انکار کیا جائے کہ اس کے رواۃ عدد یا کیفیت میں قرآن جیسے نہیں یعنی ایسے اور اتنے نہیں جیسے اور جتنے قرآن کے ہیں۔ سو اس کا حاصل بھی زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے کہ چونکہ فلاں قسم حدیث کی سند قرآن کی سند جیسی نہیں اس لئے ہم اسے قرآن جیسا قطعی الثبوت نہیں مانتے نہ یہ کہ ہم جنس حدیث کو نہیں مانتے کیونکہ یہ عبارت کہ رواۃ ایسے اور اتنے نہیں تفاوت سند پر دلالت کرتی ہے نہ کہ انکارِ سند پر۔ بہرحال جنسِ حدیث کے انکار کے لئے کوئی اصولی راستہ نہیں نکلتا کہ منکرین حدیث اس کے ذریعہ راہ مفر اختیار کریں۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنس حدیث کے بیان قرآن ہونے سے تو ہمیں انکار نہیں جب کہ اس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے لیکن اس جنس کی انواع و اقسام کی اور اس کے مشخص افراد کا ماننا ہمارے ذمہ ضروری نہیں جب کہ تشخیص کے ساتھ قرآن نے انواع حدیث کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی۔ لیکن اول تو یہ شبہ ہی مہمل ہے کیوں کہ اگر قرآن کوئی اصل کلی بیان کر دے تو اس کی جزوی مثالوں اور فروعات کو اس کی تاریخ میں تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ خود اس کے اوراق میں ورنہ وہ دستور اساسی کیا ہوگا اچھا خاصا بائی لاز ہو کر رہ جائے گا جو اس کی شان کے منافی ہے ظاہر ہے

کہ قرآن میں تو شرعیات کی بنیادیں ہی قائم کی گئی ہیں ان کی جزئیات کو بھی، اسی میں تلاش کرنا قانون اساسی کی وضع سے بے خبری بلکہ اس کے بارے میں بے حسی کی دلیل ہے اس لئے جب جنس حدیث کو قرآن سے ثابت شدہ مان لیا گیا تو اس کی فروعات اور انواع اقسام کو بالا دلائے ثابت شدہ مان لیا گیا۔ جب کہ فروعات جنس میں مدغم ہوتی ہیں اور ضمناً وہ بھی اصل کے ساتھ ثابت شدہ مانی جاتی ہیں اس لئے اصل کے اقرار کے بعد فروع کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تعدادِ رواۃ کے اعتبار سے روایت کی چار قسمیں

البتہ اس سلسلہ میں ایک مطالبہ کسی حد تک جائز سمجھا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ جب قرآن نے جنس حدیث کو خود ثابت کیا اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی تو کم ازکم اس اہم ترین اصول کی کوئی ایک آدھ مثال تو اسے دے دینی چاہیئے تھی، جس سے حدیث کے تنوع اور تعدد انواع کا جواز سمجھ میں آجاتا جس سے آنیوالوں کے لئے حدیث کے انقسام اور ان کی حد بندیوں کے لئے سند جواز مل جاتی تو میں عرض کردوں گا کہ قرآن نے کمال جامعیت کے ساتھ یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا ہے۔ اس نے نہ صرف انواع حدیث کی ایک آدھ مثال ہی دے دی ہے بلکہ سند اور رجال کے اعتبار سے حدیث کی بنیادی قسموں پر بھی کافی روشنی ڈال دی ہے جس سے راویوں کی تعداد اور ان کے اوصاف کے لحاظ سے حدیث کا مقام بھی

متعین ہو جاتا ہے اور اقسام کی طرف بھی راہ نمائی ہو جاتی ہے اسے سمجھنے کے لئے پہلے اس پر غور کیا جائے کہ محدثین نے حدیث کی بنیادی تقسیم کیا کی ہے جس سے بقیہ اقسامِ حدیث شاخوں کی طرح شاخ در شاخ ہو کر نکلتی گئی ہیں۔ سو حصرِ عقلی کے ساتھ تعدادِ رواۃ کے اعتبار سے روایت کی چار ہی قسمیں ہو سکتی ہیں جنہیں محدّثین نے فنِ مصطلحات الحدیث میں اولیت کا درجہ دیا ہے۔

خبرِ غریب | ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم سے لے کر ہم تک کسی حدیث کی روایت ایک ایک راوی سے ہوتی آ رہی ہو اگر درمیان میں راوی کہیں ایک سے زائد بھی ہو جائیں تب بھی اسے ایک ہی ایک راوی کی روایت شمار کیا جاوے گا اس حدیث کا نام محدثین کی اصطلاح میں، خبرِ غریب یا خبرِ فرد ہے۔ ایسی روایت سے گو قطعی یقین حاصل نہ ہو لیکن ظن ضرور پیدا ہو جاتا ہے جس کا دین و دنیا کے تمام معاملات میں قطعی طور پر اعتبار کیا گیا ہے اور ایسی خبر نہ صرف یہ کہ رد نہیں کی جا سکتی بلکہ اس پر ہزارہا دنیوی واخروی معاملات کا فیصلہ کر دیا جانا ایک مسلّمہ اور مروّجہ حقیقت ہے البتہ، اس میں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہوں اور ان کے حفظ و عدالت پر کوئی تہمت نہ ہو۔

خبرِ عزیز | دوسری صورت یہ ہے کہ پیغمبر سے لے کر ہم تک کسی روایت کو دو دو ثقہ اور عادل آدمی روایت کرتے آ رہے ہوں خواہ درمیان میں

کہیں رواۃ کا عدد دو سے بڑھ بھی جائے مگر وہ دو دو ہی کی روایت شمار ہوگی
ظاہر ہے کہ یہ خبر پہلی روایت سے قوت سند کے لحاظ سے بڑھی ہوئی ہوگی، اور
اس لیے اگر یہ پہلی روایت صرف ظن کا فائدہ دیتی تھی تو یہ غلبہ ظن کا فائدہ دیگی
اور وہ معاملات میں پہلے سے زیادہ قوی حجت سمجھی جائے گی ایسی خبر کو محدثین کی
اصطلاح میں خبرِ عزیز کہتے ہیں ۔

خبرِ مشہور تیسری صورت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک کسی روایت کو کم از
کم تین تین ثقہ آدمی روایت کرتے آرہے ہوں گو بیچ میں اس سے
زیادہ بھی ہو جائیں مگر یہ روایت تین ہی تین آدمی کی شمار ہوگی ظاہر ہے کہ یہ روایت
دوسری روایت سے کہیں زیادہ قوی اور معاملات میں قوی ترین حجت شمار ہوگی
جس کا انکار عادت وعرف میں صریح مکابرہ اور جحود سمجھا جائے گا اس خبر سے نہ
صرف غلبۂ ظن بلکہ فی الجملہ یقین پیدا ہو جائے گا گو ضابطۂ قضا میں وہ یقین نہ
کہلائے لیکن دیانتاً اسے یقین کہتے ہیں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جائے گی۔
ایسی خبر کو محدثین کی اصطلاح میں خبرِ مشہور کہتے ہیں ۔

خبرِ متواتر چوتھی صورت یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک کسی روایت کو تین اور
چار کی قید سے بالاتر ہو کر اتنے ثقہ اور عادل افراد روایت کرتے
آرہے ہوں جن کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادتاً محال ہو اور کسی دور میں بھی چار سے
کم نہ ہوں خواہ زائد ہو جائیں اور زائد کی کوئی حد مقرر نہیں، تو یہ روایت تیسری

نوعِ روایت سے بدرجہا مضبوط اور قوت و اعتبار میں انتہائی حد پر پہنچی ہوئی ہوگی اور اس سے نہ صرف دیانتاً ہی یقین حاصل ہو جائے گا بلکہ وہ یقین پیدا ہوگا جسے عرفِ عام اور ضابطہ و قانون میں بھی یقین ہی کہا جائے گا۔ اور کسی حالت میں بھی اس کا رد و انکار جائز نہ ہوگا بلکہ وہ حجتِ قطعیہ سمجھی جائے گی اس کا نام اصطلاحِ محدثین میں خبرِ متواتر ہے۔

تواتر کے اقسام و درجات

اب اگر تواتر افراد سے گزر کر طبقات اور بڑی بڑی جماعتوں تک پہنچ جائے اور کسی روایت کو ہر دور میں ایک جمِ غفیر اور جماعتیں کی جماعتیں روایت کرتی آ رہی ہوں تو ظاہر ہے کہ تواتر کی قوت میں اور زیادہ استحکام پیدا ہو جائے گا تاہم جنسِ تواتر ایک ہی رہے گی اس جنس کی ان دو قسموں کے اصطلاحی نام حضرت الاستاذ الاکبر علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ نے تجویز فرمائے تھے تواتر کی ابتدائی قسم کا نام تواترِ سندی، اور دوسری قسم کا نام تواترِ قرنی وضع فرمایا تھا۔ پس قرآن کریم کی روایت تواترِ قرنی ہے۔ بہرحال متواتر روایت میں کسی ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی، ایسی خبر کا منکر زبانِ خلق پر مطعون یا مجنون کہلائے گا کیوں کہ یہ متواتر روایت گویا زبانِ حق ہوگی جو زبانِ خلق سے کام کرے گی، اس لئے اس خبر کو گویا خدا کی خبر اور خدائی نقل و روایت کہا جائے گا جسے جھٹلانے کی کوئی اصولی صورت ممکن نہ ہوگی کیونکہ اس خبر کا محافظ خود خدا ہوگا نہ کہ مخلوق۔

بہرحال روایت کے سلسلے میں ایک سے لے کر چار تک حصرِ عقلی کے ساتھ یہ چار ہی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں راویوں کے لحاظ سے ہر زائد عدد والی روایت کم عدد والی روایت سے مضبوط اور محکم ہوگی اور اسی حد تک اس کی حجت اور اعتبار کا درجہ بڑھتا جائے گا بالفاظ دیگر روایت جس قدر بھی فرد سے گزر کر جماعت کی حد میں آتی جائے گی اسی قدر ظن سے یقین اور یقین سے کمالِ یقین کی طرف بڑھتی جائے گی ظاہر ہے کہ شریعت نے ایک عدد سے گزر کر دو کے عدد کو جماعت تسلیم کیا ہے۔ فرمایا گیا۔

الاثنان ومافوقہما جماعۃ | دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے۔

چنانچہ نماز میں اگر دو بھی جمع ہو جائیں تو شرعاً وہ نماز جماعت کہلائے گی اور تین ہو جائیں تو جماعت معہ ہو جائے گی گویا تین افراد کا مجموعہ شرعاً معتد بہ ہے پس جماعت کی حد ایک کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے پھر اگر عدد تین سے بھی بڑھ جائے مثلاً چار یا اس سے زائد افراد اکٹھے ہو جائیں تو وہ جماعت کبیرہ کے حکم میں آ جائے گی جس سے جمعہ بھی ادا کیا جا سکے گا جس کا موضوع ہی شرعی جامعیت اور اجتماعیت ہے جیسا کہ لفظ جمع اور اس کے مادہ (جمع) سے ظاہر ہے پھر یہ جماعت کبیرہ اگر ثقہ اور عادل لوگوں پر مشتمل ہو جن کا ایک ایک فرد ثقت و عدالت کا مجسمہ ہو گویا ایک ایک امت اور جماعت کے حکم میں ہو لقولہ تعالیٰ ان ابراھیم کان امۃ تو یہ جماعت ایک جماعت عظیمہ کے حکم میں ہوگی جس کی کہی ہوئی بات

قطعیت کے انتہائی مقام اور یقین کے اعلیٰ ترین درجہ پر سمجھی جائے گی جس سے زیادہ یقین آور کوئی صورت نہیں ہو سکتی نہ صرف اصطلاحاً بلکہ اصولاً اور فطرتاً اس سے قلوب اطمینان کی ٹھنڈک محسوس کریں گے۔ پس جماعت کی حد ایک کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور چار پر آکر ختم ہو جاتی ہے آگے اگر درجہ ہے تو کمال جماعت کا ہے نہ کہ اصل جماعت کا۔ اس لئے تعدد روایت کے سلسلہ میں اعتماد، یقین اور اطمینان اور اعتبار کا قصہ بھی کم از کم چار پر پہنچ کر پورا ہو جاتا ہے۔ آگے یقین و اطمینان میں اضافہ کے درجات آتے رہیں گے لیکن نفس یقین کا سرچشمہ چار ہی کا عدد رہے گا بشرطیکہ راوی ثقہ اور عادل ہوں اس لئے راویوں کے عدد کے لحاظ سے روایت کی چار قسمیں حصر عقلی کے ساتھ نکلتی ہیں۔ جو خبرِ غریب، خبرِ عزیز، خبرِ مشہور، اور خبرِ متواتر کے نام سے محدثین کے یہاں معروف ہیں۔

خبرِ متواتر اور اس کی حجیّت

تدبر کیا جائے تو قرآن حکیم نے جنس حدیث کے اثبات کے ساتھ روایت کی ان چاروں قسموں کی بنیادیں بھی خود ہی قائم کر دی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے خبرِ متواتر اور اس کی حجیت کا ثبوت تو خود قرآن کریم کی ذات ہی ہے جس کی روایت کا طریقہ ہی تواتر ہے جس سے وہ زمانۂ نبوی سے ہم تک منقول ہوتا ہوا آرہا ہے گویا قرآن کی رو ہی تواتر کا وجود ہے اگر تواتر سے انکار کر دیا جائے تو قرآن کا وجود ہی باقی نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ جو قرآن اور اس کی حجیت کو تواتر کی بنا پر تسلیم کرے گا اسے

خبر متواتر اور اس کی حجیت کو بھی قطعی طور تسلیم کرنا پڑے گا ورنہ قرآن کی حجیت
سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیوں کہ جو تواتر قرآن کی حجت ماننے کا موجب ہوا ہے
وہی تواتر حدیثِ متواتر میں بھی موجود ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسے حجت نہ مانا جائے
اور کوئی وجہ نہیں کہ علت تو دونوں جگہ مشترک ہو اور حکم الگ الگ ہو جائے یہ
صحیح کہ قرآن کا تواتر بہت اونچا اور ایک خاص تواتر یعنی تواتر قرن ہے جس
کا مقابلہ عام تواتر نہیں کر سکتا لیکن اس فرق کا ثمرہ زیادہ سے زیادہ فرق مراتب
نکلے گا نہ کہ نفس تواتر کا انکار۔ کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ قرآن کریم کے تواتر
سے اگر کمال یقین حاصل ہو جس کا درجہ اونچا ہے تو نفس تواتر سے یقین حاصل ہو
نہ یہ کہ نفس تواتر غیر معتبر ہو جائے پس کمال تواتر کا ثمرہ قوت یقین ہے نہ کہ ،
اصل تواتر اور اس کا ثمرہ (نفس یقین)، کا انکار جو لوگ قرآن کے اعلیٰ ترین تواتر
کو سامنے رکھ کر حدیث متواتر کی حجیت کے بھی قائل نہیں اور یا پھر حدیث متواتر
کے انکار متواتر جھوٹے ہیں کیونکہ کمال تواتر میں بہر حال نفس تواتر بھی تو موجود
ہے اور کمال یقین میں بلا شبہ اصل یقین بھی مضمر ہے پس کمال تواتر کی حقیقت
اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ نفس تواتر میں اضافہ ہو جائے ایسے ہی کمال ،
یقین کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ اصل یقین میں زیادتی ہو جائے
اور کوئی شخص بھی اضافہ تک بغیر اصل سے گزرے ہوئے نہیں پہنچ سکتا اس
لئے زیادہ کا قائل درحقیقت اصل کا بھی قائل ہے جو اس زیادہ میں مضمر ہے۔

اندریں صورت اضافہ کو سامنے رکھ کر اصل کا انکار کر دینا درحقیقت، اضافہ سے بھی انکار ہے ورنہ بغیر اصل کے یہ اضافہ آخر آیا کہاں سے؟ اور یہ منکر اس تک پہنچا کیسے؟ پھر بھی اگر وہ اضافہ کا نام لے کر اصل کا انکار ہی کرتا ہے تو اسی کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی نیچے کی منزل منہدم کر کے اوپر کی منزل پر، رہنے کا دعوٰے کرے سو جیسے یہ شخص عقلاء کے نزدیک جھوٹا اور دروغ گو شمار ہوگا ایسے ہی وہ شخص بھی جھوٹا شمار ہوگا جو قرآن متواتر کی حجیت کو تواتر کی بنا پر مان کر حدیث متواتر کی حجیت کا انکار کرنے لگے، کیونکہ خبر متواتر ہی کا تو یہ تواتر ہے جس پر اضافہ ہوکر قرآن کا کمال رونما ہوا ہے۔ بہرحال خبر متواتر اور اس کی حجیت کا ثبوت خود عین قرآن اور اس کی روایت ہے۔

قرآن سے مطلق روایت و خبر کا ثبوت

بلکہ اگر غور کیا جائے تو قرآن کریم کی روایت سے صرف خبر متواتر ہی کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ نفس روایت و خبر کے معتبر ہونے کا ثبوت بھی باآسانی نکل آتا ہے کیوں کہ قرآن کی روایت ظاہر ہے کہ روایت متواترہ ہے اور روایت متواترہ ایک قسم ہے نفس روایت کی، گویا نفس روایت و خبر مقسم کا درجہ ہے اور خبر متواتر اس کی ایک قسم ہے اور ظاہر ہے کہ قسم کو مان کر مقسم کا انکار یا قسم کو معتبر مان کر مقسم غیر معتبر ہونیکا اقرار ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مقید مان کر مطلق کا انکار کر دے یا خاص مان کر عام کا انکار کر دے حالانکہ مقید بن ہی نہیں سکتا۔

جب تک کہ مطلق نہ ہو، اور خاص بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ عام نہ ہو اس لیے
قرآن کی روایت خاص یعنی متواتر کا اقرار کر کے آدمی مطلق روایت کے اقرار سے
کبھی بچ ہی نہیں سکتا جب کہ یہ مطلق روایت اس مقید میں موجود ہے اور خبر متواتر
کے معتبر ہونے کو مان کر نفس خبر و روایت کے معتبر ماننے سے کبھی گریز کر ہی نہیں سکتا
جب کہ متواتر کے اعتبار میں نفس روایت کا اعتبار بھی آیا ہوا ہے اس لیے قرآن
کے طریق روایت سے محض خبر متواتر ہی کا ثبوت نہیں ہوتا جو قسم کا مرتبہ ہے بلکہ
مطلق خبر کے معتبر ہونے کا بھی ثبوت ہو جاتا ہے جو مقسم کا مرتبہ ہے جس کے معنی یہ
نکلے کہ اصولاً نفس روایت اپنی اقسام کے ذیل میں حسب مراتب خود بلا شبہ معتبر
اور واجب التسلیم ہے خواہ وہ قرآن کی روایت ہو یا غیر قرآن کی۔ اس لیے حدیث
کی روایت کا معتبر ماننا قرآن کی روایت کو معتبر ماننے کے بعد ضروری ہو جاتا
ہے البتہ دونوں کی روایت کے درجات و مراتب کی قدر ان کے احکام کے مراتب
و درجات کے فرق سے انکار نہیں ہو سکتا مگر اصل کے انکار کی کوئی صورت نہ
ہو گی۔

منکرین حدیث کیلئے ۲ راستے

اس لیے منکرین کے لئے دو ہی صورتیں
میں۔ یا وہ سرے سے نقل و روایت کا
انکار کر دیں اور کھل کر حدیث کے ساتھ قرآن کے بھی منکر ہو جائیں۔ لیکن اگر وہ
قرآن کی روایت کو مانیں تو اس کے ضمن میں نفس روایت کو مان کر روایت حدیث

کا ماننا بھی ان کے سر عائد ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ قرآن کو مان کر حدیث کا انکار کر دیں ورنہ وہ نفس روایت کے ہی منکر کہلائیں گے۔

ثبوتِ قرآن سے خبرِ متواتر کا ثبوت

مزید غور کیا جائے تو روایت متواترہ کا ثبوت قرآن کی روایت ہی کو سامنے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ مطلقاً قرآن کے ثبوت سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قرآن کی روایت ہی سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے کیونکہ قرآن کو حجت مان کر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس قرآن کا قرآن ہونا آخر ہمیں کیسے معلوم ہوا؟ اگر خود قرآن ہی سے معلوم ہوا تو درحالیکہ ابھی تک خود قرآن کا قرآن ہونا ہی ثابت شدہ نہ ہو قرآن سے کسی چیز کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے؟ جسے تقدمِ شئ علیٰ نفسہ کہتے ہیں۔ لامحالہ غیر قرآن ہی سے قرآن کا قرآن ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غیر قرآن بجز پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی خبر کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ جو منقول ہو کر بلا کم و کاست ہم تک پہنچے اور اسی کا نام حدیث ہے اس لئے قرآن کا قرآن ہونا خود حدیث پر موقوف نکلا۔

اندریں صورت یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن تو واجب التسلیم ہوا ور حدیث نہ ہو ورنہ خود قرآن کا ثبوت اور وجود بھی ممکن نہ رہے گا۔

خبرِ متواتر کی قطعیت کا ثبوت

ساتھ ہی یہ کہ جس خبر سے ہم کو قرآن جیسی، قطعی یقینی اور اہم ترین کتاب کا علم ہو وہ خبر

بھی قطعیت میں قرآن سے کم نہ ہونی چاہیئے ورنہ اگر وہی ظنی ہو تو قرآن کا ثبوت
قطعی نہ رہے گا بلکہ ظنی ہو جائے گا جس کے انکار سے نہ کفر عائد ہوگا نہ اس پر ایمان
لانا فرضِ قطعی رہے گا جس سے ایمان کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اس لئے
اس خبر کا قطعی اور انتہائی طور پر موجب یقین ہونا ضروری ہے اور ایسی خبر بجز
متواتر کے دوسری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے ثبوت سے پہلے مگر قرآن کی
نسبت کے ساتھ نہ صرف جنس حدیث ہی کا ثبوت ہاتھ لگا جو جنس اور مقسم کا
مرتبہ ہے بلکہ اس کی ایک قسم خاص خبر متواتر کا ثبوت بھی نکل آیا اس لئے قرآن
کو قرآن کہنے والا تو کم سے کم نفس حدیث اور اس کی ایک قسم متواتر کا کبھی انکار
نہیں کر سکتا ورنہ وہ تسلیم قرآن کے دعوے میں بھی جھوٹا اور منافق شمار کیا جائے
گا۔ ہاں قرآن ہی کا کوئی کھلے بندوں انکار کرنے لگے تو ہمیں اس تحریر میں اس سے
تعرض کرنا نہیں، کیونکہ منکر قرآن کا جواب دوسرا ہے جس سے یہاں بحث نہیں
بہر حال قرآن کو کسی بھی جہت سے مانا جائے کم از کم حدیث کا متواتر ماننا
ضروری ہو جائے گا جس کے لئے قرآن کی روایت بھی ایک مستقل ثبوت ہے،
اور خود عین قرآن کے اقرار کی نسبت بھی ایک مستقل ثبوت ہے جس کے ضمن میں،
نفس حدیث کا ثبوت بھی خود بخود آجاتا ہے اس لئے خبر متواتر کا ثبوت تو قرآنِ حکیم
سے بحمد اللہ تعالیٰ مل گیا۔

خبرِ مشہور۔ خبرِ عزیز۔ اور خبرِ غریب قرآن کی روشنی میں

اب حدیث کی بقیہ تین قسموں مشہور، عزیز، اور غریب پر قرآن کی روشنی میں غور کیجئے۔ سو خبرِ مشہور جو کم از کم تین ثقہ راویوں کی روایت سے منقول ہو اس کا اور اس کی حجیت کا ثبوت بھی ہمیں قرآن سے ملتا ہے قرآن حکیم نے اصحاب القریہ کے بارے میں فرمایا جو سورۃ یٰسین شریف میں ہے۔

واضرب لھم مثلا اصحاب القریۃ اذ جاءھا المرسلون اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون۔

یاد کرو گاؤں والوں کی مثال جب کہ ان کے پاس رسول آئے جب ہم نے، ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انہوں نے انہیں جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے قوت دی اور ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں

اس سے واضح ہے کہ دو کی تکذیب کر دینے پر تیسرے کا اضافہ اصولاً اس وجہ سے تھا کہ عادتاً تین ثقہ اور عادل افراد کو جھٹلانا فطرت انسانی کے خلاف ہے اور اس سے گاؤں والوں پر خدا کی حجت تمام ہو جائے گی کیونکہ تین آدمی کا مجموعہ جماعت کہلاتا ہے اور عادتاً نہ تو تین افراد کی جماعت اور وہ بھی نیک اور پارسا لوگوں کی مل کر جھوٹ بول سکتی ہے اور نہ ہی اسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں نقل اور روایت کے سلسلے میں تین کا عدد پیش نظر ہے رسالت کا وصف پیش نظر نہیں کیوں کہ رسول تو ایک بھی ثقاہت و عدالت اور صدق وامانت میں ساری دنیا سے بڑھ کر ہوتا ہے اگر گاؤں والوں کو رسالت کی عظمت پیش نظر ہوتی تو وہ ایک رسول کی بھی تکذیب کی جرأت نہ کرتے اور کرتے تو وہ خود ہی غیر معتبر ٹھہر جاتے، رسولوں کے عدد میں بلحاظ وصف رسالت اضافہ کی ضرورت نہ ہوتی لیکن ان پر قانونی حجت تمام کرنی تھی تو آخر کار تین کا عدد مکمل کرکے رسالت ان تک پہنچائی گئی کہ دنیا کے عام اصول پر تین سچے انسانوں کی خبر کسی طرح بھی قابل رد شمار نہیں کی جاتی۔

اس سے یہ اصول واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تین تین کی روایت سے کوئی خبر روایت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچے تو قرآن کی رد سے بلحاظ روایت وہ ہرگز رد نہیں کی جاسکتی کیوں کہ اس سے نہ صرف غلبۂ ظن بلکہ دیانتاً یقین حاصل ہو جاتا ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی اور جب کہ یہی نوعیت خبر مشہور کی ہے تو قرآن کریم سے خبر مشہور اور اس کی حجیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اندریں صورت خبر مشہور کے ثبوت اور اس کی حجیت کا منکر درحقیقت قرآن کے اس اصول اور آیت بالا کا منکر ہے جس کو منکرِ قرآن کہا جائے گا۔

اسی طرح خبر عزیز جس کی روایت دو ثقہ راوی کریں قرآن حکیم سے ثابت اور معاملات میں از روئے قرآن حجت ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

واشهدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشهادة لله ۔	اور گواہ بناؤ دو عدل والوں کو اپنے میں سے اور لوجہ اللہ شہادت قائم کرو

اس کا حاصل یہ ہے کہ دو کی شہادت محض معتبر ہی نہیں بلکہ حجت بھی ہے جس پر دین اور دنیا کے ہزار ہا جانی، مالی، اخلاقی اور باہمی معاملات کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتی کہ قضائے قاضی ظاہرا و باطنا نافذ ہو جاتی ہے یہ شہادت ظاہر ہے کہ روایت ہے اس روایت کا نام شہادت تعارف کے طور پر محض اس لئے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ سرکاری طور پر کسی مقدمے یا خصومت میں قاضی یا مجسٹریٹ یا ثالث و سرپنچ کے سامنے دی جاتی ہے جس سے اس میں سرکاری اہمیت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ وہی روایت ہے جو عدالت کے کمرے کے باہر روایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اس نام یا نسبت کے فرق سے ایک سرکاری خبر ہے اور ایک نجی ۔ یا ایک اطلاع قضاءً ہے اور ایک دیانتاً خبر کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ اگر یہی شاہد عدالت کے کمرے سے باہر نکل کر یہی روایت پبلک کے سامنے بیان کرے تو تبدیلیٔ نام ونسب کے سوا اور فرق ہی کیا ہوگا ۔ بس اب اسے شہادت کے بجائے روایت کہنے لگیں گے لیکن خبر اور مخبر کی حقیقت وہی رہے گی جو عدالت کے کمرہ میں تھی اس لئے شہادت کی تمام شرائط درحقیقت روایت کی شرائط ہیں ۔ بس جیسے شہادت بلا واسطہ ہو تو اس کا عینی ہونا ضروری ہے کہ شاہد اپنا مشاہدہ یا سماع بیان

کرے ایسے ہی روایت میں بھی راویٔ اول کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ روایت
کردہ واقعہ اس کا چشم دید یا براہِ راست خود شنید ہو۔ پھر جیسے روایت بالواسطہ
بھی ہوتی ہے ایسے ہی شہادت بھی بالواسطہ ہوسکتی ہے جسے شہادت علی الشہادت
کہتے ہیں اور جیسے ان وسائط کی شہادت کے لئے ضروری ہے کہ جس پر شہادت
کی انتہا ہو وہ اپنا چشم دید یا خود شنید واقعہ بیان کرے، ایسے ہی روایت
کی سند کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی انتہا جس پر ہونی چاہیئے کہ راویٔ اول
اپنا مشاہدہ یا سماع نقل کرے پھر ثقہ اور اعتماد کی جو شرائط شاہد کے لئے ہیں
وہی راوی کے لئے بھی ہیں جن کی تفصیلات فن میں مدوّن ہیں۔ غرض شہادت
و روایت ایک ہی چیز ہے۔ اس لئے اگر شہادت شرعاً حجت ہے تو بلا شبہ روایت
بھی حجت ہے فرق ہے تو قضا اور دیانت کا ہے نہ کہ اصل خبر کا۔

پس قرآنِ کریم نے آیت بالا میں دو آدمی کی شہادت کو معتبر اور حجت مان کر
درحقیقت دو کی روایت کے معتبر اور حجت ہونے کا اعلان کیا ہے پس اگر یہ
دو کی روایت عدالت جیسی اہم جگہ میں قانوناً معتبر ہے جس میں سیاسی اہمیت
بھی موجود ہے تو انہی دو کی روایت عدالت سے باہر دیانات کے حلقوں میں
جہاں وہ سیاسی اہمیت بھی نہیں ہے دیانتاً کیوں معتبر اور حجت نہ ہوگی؟
ضرور ہوگی بلکہ اسے بدرجہ اولیٰ معتبر اور حجت ہونا چاہیئے اس لئے دو دو کی،
روایت کے معتبر اور واجب التسلیم ہونے کا ماخذ بھی قرآن حکیم ثابت ہوا جس کا

نام خبر عزیز تھا اور واضح ہوا کہ خبر عزیز اور اس کی حجیت کا منکر در حقیقت آیت بالا کا منکر ہے جیسے منکر قرآن کہا جائے گا۔ رہی خبر غریب جسے خبر فرد بھی کہا جاتا ہے اور جسے ایک ایک آدمی روایت کرے سو قرآن حکیم کی ایک نہیں بیسیوں آیتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے اس کی حجیت پر روشنی پڑتی ہے

روایت اور اس کی حجیت

اول تو سارے انبیاء کے پاس تن تنہا سیدنا حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا وحی لے کر آنا اور خدا کی خبروں کی روایت کرنا ہی خبر فرد کے ثبوت کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ ایک ہی کی خبر ہوتی تھی۔ آخر میں سیدنا حضرت جبرئیل علیہ سلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم تک پورا پورا قرآن روایت کیا یہ خبر فرد نہ تھی۔ حق تعالےٰ نے اسی کو فرمایا۔

انہ لقول رسول کریم۔ (یہ قرآن، قول ہے ایک رسول کریم (جبرئیلؑ) کا۔

جس سے واضح ہے کہ قرآن کے راوئ اول سیدنا حضرت جبرئیل علیہ سلام ہیں جنہوں نے تن تنہا سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم تک پہنچایا۔ قرآن نے اس روایت کے بارے میں آیت بالا میں تصریح کی کہ وہ روایت جبرئیلی تھی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ قرآن کی روایت اور خبر فرد ان کے فرشتہ ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم نہیں ہوئی بلکہ اس لئے کہ ان میں راویوں کے تمام محاسن

روایت جمع تھے اور تمام مطاعن روایت منفی تھے جو روایت کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہیں جیساکہ رسول کریم ذی قوۃ وغیرہ کے اوصاف سے واضح ہے اور آئندہ اس کی شرح آتی ہے۔ بہرحال یہ مقدس راوی کتنے بھی اوصاف قدسیہ سے متصف ہو لیکن یہ خبر بہرحالی فرد ہی کی رہے گی جسے ایک شخصیت نے روایت کیا۔

جس سے خبر فرد کا ثبوت اور اس کی حجیت نص قرآنی سے عیاں ہو جاتی ہے اور جب جبریل علیہ السلام کی یہ اخبار غیبیہ صرف زمانہ نبوی ہی تک محدود نہیں بلکہ زمانۂ آدم سے تا زمانہ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم اسی ایک فرد کی خبر پر سارے ادیان اور ساری شرائع کا دار ومدار ہے جس سے خبر فرد کا نہ صرف ثبوت بلکہ اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تمام ادیان اور شرائع کا دار ومدار ہی خبر فرد پر رہا ہے، ظاہر ہے کہ آغاز ادیان کے وقت یہ اہمیت نہ خبر عزیز کو حاصل ہوتی ہے نہ مشہور ومتواتر کو، اس لئے خبر کی کوئی اور قسم معتبر ہو یا نہ ہو۔ مگر خبر فرد بالضرور معتبر ماننی پڑے گی۔ ورنہ تمام ادیان وشرائع کی بنیاد ہی معاذ اللہ منہدم ہو جائے گی۔

ممکن ہے کہ اس ثبوت میں یہ خدشہ ظاہر کیا جائے کہ گفتگو ہے انسانوں کی خبر فرد میں اور نظیر لائی جا رہی ہے فرشتوں کی خبر فرد سے حالانکہ کسی جنس کے لئے نظیر ہم جنس ہی کی معتبر ہوتی ہے اور یہاں انسان اور فرشتہ میں کوئی جنسی اشتراک نہیں تو پھر ایک نوع کی نظیر دوسری نوع پر کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

گو یہ شبہ قابل التفات نہیں جب کہ خبر کی نوعیت دونوں جگہ ایک ہے خواہ وہ فرد انسان ہو یا فرشتہ، یہاں فرق اگر ہے تو راویوں کی جنس کا ہے نہ کہ روایت کی جنس کا روایت اور اوصاف روایت کی نوعیت دونوں جگہ یکساں ہے اس لئے کہ تفاوتِ جنس سے روایت کے ثبوت میں کیا خلل آسکتا ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک راوی چینی کا ہو اور ایک عرب کا ایک مشرق کا ہو ایک مغرب کا۔ مگر جب کہ وہ اصول روایت کے مطابق روایت کریں تو ان کے وطنوں اور رنگوں کے فرق سے روایت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ ایسے ہی کسی خبر فرد کے راوی آسمان کے باشندے ہوں یا زمین کے بسنے والے، مگر روایت کے تمام اصول وقوانین کی رعایت سے روایت کریں تو اسے زمین کے باشندوں کے لئے بطور نظیر پیش کئے جانے میں آخر اشکال کیا ہوسکتا ہے ؛ پھر اچھے اوصاف کا سرچشمہ بہرحال ملائکہ ہی ہیں اور انسانوں کو ان کی ملکیت سے استفادہ کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فرشتہ سے اس کی ذات کا استفادہ منظور، نہیں کہ آدمی فرشتہ ہو جائے بلکہ فرشتہ کے اوصاف سے یا استفادہ مطلوب ہے جو باوجود اختلافِ جنس کے مطلوب ہے اور نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے۔ چنانچہ مثالوں میں کہا جاتا ہے کہ فلاں انسان پر ملکیت کا غلبہ ہے گویا بشر کے لئے ملائکہ کی اخلاقی نظیریں حجت ہوسکتی ہیں اور اوصاف میں یہ اشتراک جنسوں کے اختلاف کے باوجود بھی ہوسکتا ہے اور روایت کے بارے میں ملائکہ کے اوصاف

روایت انسانوں کے حق میں کیوں ناقابل اعتبار اور ناقابل قیاس ہو جائیں گے؟ اس لئے یہ مذکورہ شبہ اصولاً مہمل ہے۔

ہر امت کے پاس ایک ہی ہادی آیا

تاہم اس بحث سے الگ ہو کر جبکہ، مقصود مخاطبوں کو اطمینان دہانی ہے

تو ہم روایت فرد کے بارے میں ملکی نظیر سے ہٹ کر بشری نظیر بھی قرآن کریم ہی سے پیش کئے دیتے ہیں ہم نے سابق میں خبر مشہور کے بارے میں تین پیغمبروں کی جماعتی خبر سے استدلال کرتے ہوئے خبر مشہور کا قرآن کریم سے ثبوت پیش کیا تھا اس لئے خبر فرد کے بارہ میں تن تنہا ایک پیغمبر کی خبر یقیناً خبر فرد کے ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ سو کون نہیں جانتا کہ امت کو پیغمبر سے جو خبر بھی ملتی ہے وہ ایک ہی کی ہوتی ہے یہ تو صرف اصحاب القریہ ہی کی خصوصیت تھی کہ ان کے پاس اکٹھے تین پیغمبر بھیج دیئے گئے جنہوں نے جماعتی طور پر پیغام الٰہی پہنچایا۔ ورنہ ہر امت کے پاس امت کا ایک ہی ہادی و نذیر آیا اور اس ایک ہی نے خدائے برتر کی طرف سے خبریں دیں، سیدنا حضرت نوحؑ، سیدنا حضرت ابراہیم، سیدنا حضرت موسیٰؑ، سیدنا حضرت عیسیٰؑ، سیدنا حضرت ہودؑ، سیدنا حضرت صالحؑ وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام تنہا تنہا ہی اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے اور ایک ہی ایک نے خدائی دین کی نقل و روایت خدا کی طرف سے امت کے سامنے پیش کی یہ خبر فرد نہیں تھی تو اور کیا تھی؟

اس لئے قرآن نے جتنے بھی پیغمبروں کی دعوت کا ذکر کیا ہے وہ درحقیقت ،
خبر فرد ہی کا ذکر ہے جہاں جہاں بھی اذ قال لھم نوح ۔ اذ قال لھم
ھود ۔ اذ قال لھم لوط وغیرہ وغیرہ کے کلمات وارد ہوئے اور وہ حجت
تھے تو یقیناً یہ خبر فرد ہی کی حجیت اور اس کے واجب التسلیم ہونے کا زبردست
ثبوت ہے جو قرآن کی بیسیوں آیتوں میں پھیلا ہوا ہے پس خبر عزیز، اور
مشہور ومتواتر کے لئے تو ایک ہی آدھ آیت بطور دلیل یا ثبوت دستیاب
ہوگی لیکن خبر فرد کے لئے تو سینکڑوں آیتیں موجود ہیں جس سے اس کا ثبوت
سارے ثبوتوں سے زیادہ مضبوط اور اٹل ہو جاتا ہے ۔ اور جب کہ فرشتہ ،
سے لے کر انبیاء تک خدائی خبریں ایک ہی ایک فرد سے آئیں تو سمجھ لینا ،
چاہیے کہ تمام آسمانی شریعتوں اور ادیان کا مدار ہی خبر فرد کی روایت پر رہا
ہے نہ کہ خبر مشہور ومتواتر پر اس لئے بایں خصوصیت خبر فرد اپنی تمام ہم نوع
خبروں سے فائق ہو جاتی ہے اور اس کا ماننا اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے
کہ وہ سارے دینوں کی مدار علیہ ہے اگر اس سے انکار کر دیا جائے تو ساری شریعتوں
کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جاتا ہے شاید اس لئے خبر فرد کے ثبوت کے لئے
قرآن نے خود اپنی آیتوں تک کا تواتر پیش کر دیا ہے جن کی تعداد سینکڑوں
سے متجاوز ہے اور اس لئے خبر فرد کا ماننا دوسری ساری واجب التسلیم خبروں کے
ماننے سے کہیں زیادہ ضروری اور قطعی ہے بلکہ غور کیا جائے تو انبیاء کی ان ،

انفرادی روائیتوں اور اخبار فرد سے صرف اصولاً ہی خبر فرد کا ثبوت نہیں ملتا
بلکہ کلام رسول کی حیثیت سے بھی خبر فرد کا ایک واقعی حقیقت اور حجت ہونا
ثابت ہو جاتا ہے کیوں کہ انبیائے سابقین کی یہ خبریں جہاں خبر فرد تھیں وہاں
حدیث رسول ہی نہیں کیوں کہ کسی نبی کو بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ و بارک وسلم کے،
کلامی معجزہ نہیں دیا گیا جس کے الفاظ بھی منزل من اللہ نہ ہوں پس وہ مضامین
الٰہی جو عامۃً قلوب انبیاء پر الہام کئے جاتے ہیں جنہیں وہ اپنے الفاظ میں امت
کو سنا دیتے تھے ان کی یہ روائیتیں بلحاظ الفاظ درحقیقت حدیث رسول ہوتی
تھیں اور ان کا وہی پلہ ہوتا تھا جو اسلامی شریعت میں حدیث رسول کا ہے۔
اس لیے انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان انفرادی خبروں سے نہ صرف خبر فرد
ہی کا اصولی ثبوت قرآن سے ملا بلکہ عین حدیث رسول کے حجت ہونے کا ثبوت
بھی سامنے آگیا جو ایک کی روایت سے امت تک پہنچی ہو پس نبی کریم صلی
اللہ تعالےٰ علیہ وبارک وسلم کی وہ تمام خبریں جو قرآن کے علاوہ آپ نے بصورت
حدیث صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سنائیں بجز خبر فرد کے اور کیا تھیں ؟
بعد میں راویوں کے عدد کی قلت وکثرت کے سبب وہ مشہور ومتواتر بنتی
گئیں لیکن اپنی ابتداء میں تو یہ سب خبر فرد ہی تھیں اس لئے خبر فرد اپنے نوع
بنوع ثبوت کیساتھ قرآن کی نصوص سے سامنے آجاتی ہے ۔

روایتِ رسولؐ اصولِ روایت کی روشنی میں

لیکن خبرِ فرد کی اس نوع میں جو پیغمبر کی واحد اطلاع سے سامنے آئے ممکن ہے کہ کسی کو وہی شبہ ہو جو سیدنا حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر میں ہوا تھا اور یہ کہہ دیا جائے کہ رسول کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہے ان کے وصفِ رسالت کی عظمت کا ایک قدرتی دباؤ قلوب پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ رسول ملکی ہو یا رسول بشری اس لئے ان کی خبر کا ماننا درحقیقت رسالت کے دباؤ کا اثر ہے اصولِ فن کا تقاضا نہیں اور نہ فنی حیثیت سے وہ قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔ گویا رسول ملکی کی طرح رسول بشری کی خبرِ فرد بھی کوئی فنی یا اصولی خبرِ فرد نہیں کہ ان نظیروں سے اسے قرآن سے ثابت شدہ مانا جائے۔

مگر میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ بھی انکارِ حدیث کی طرح قرآن حکیم سے ناواقفیت اور اس میں غور نہ کرنے کے سبب پیش آیا ہے۔ قرآن نے کہیں بھی کسی پیغمبر کی خبرِ فرد کو محض پیغمبری یا رسالت کے دباؤ سے منوالینے کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف اصولِ روایت اور فنی قواعد کے لحاظ سے ہی اس کے ماننے اور واجب التسلیم سمجھنے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وبارک وسلم کی خبرِ فرد کی قرآن نے توثیق کی ہے وہ وصفِ رسالت کی وجہ سے نہیں بلکہ اصولِ روایت کی رو سے ہے۔ ارشاد ہے۔

والنجم اذا هوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی ۔

قسم ہے مطلق ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے یہ تمہارے رہبر وقت، ساتھ کے رہنے والے نہ راہ حق سے بھٹکے نہ غلط رستہ ہو لئے اور نہ ہی اپنی، خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر، بھیجی جاتی ہے ۔

ظاہر ہے کہ یہ خبر فرد جو تن تنہا حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وبارک وسلم سے امت کو پہنچی اور قرآن نے اسے واجب الاعتبار ٹھہرایا تو یہ کہہ کر نہیں کہ آپ نبی اور رسول ہیں، بلکہ یہ کہہ کہ کہ اس روایت کے راوی میں کوئی تہمت یا مطاعن روایت میں سے کوئی طعن موجود نہیں جو روایت کو مخدوش، بناتا ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے حضور سے مطاعن روایت کی نفی کی اور رسول کہہ کر نہیں بلکہ صاحبکم کہہ کر جس سے واضح ہے کہ خبر فرد کے منوالنے میں رسالت کا دباؤ دلوں پر ڈالنا مقصود نہیں پس اولاً ان مطاعن میں سے، سب سے پہلے ضلالت کی نفی کی کیوں کہ بے راہ رو اور ناواقف کی بات ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوتی، پھر غوایت کی نفی کی کیوں کہ کج راہ جو کہ اوندھی سمجھ رکھتا ہو اوندھی ہی سمجھے، اوندھی ہی بات کہے، اس کی روایت ہرگز

لائق التفات نہیں ہوتی ۔ پھر ہوائے نفسانی کی نفی کی کیوں کہ ہوا پرست خود غرض ہوتا ہے اور خود غرض کی بات متہم ہوتی ہے موجب سکون، اور لائق اعتبار نہیں ہوتی ۔ یہ سب وہی مطاعن روایت ہیں جن سے روایت مجروح اور مخدوش ہوجاتی ہے ۔ آخر میں ان منفی اوصاف کی نفی کی علت پر مطلع فرمایا کہ وہ راوی کا صاحب وحی ہونا ہے جو پیغمبر کے سوا دوسرا نہیں ہوتا ۔ اور نبوت ورسالت ایسا اعلیٰ مقام ہے کہ اس کے ساتھ ضلالت غوایت اور ہوائے نفس کبھی جمع نہیں ہوسکتی پس نبوت کے وصف کو، اول تو صراحتاً ذکر ہی نہیں کیا گیا اور وحی کے لفظ سے کنایتہً اگر ذکر بھی فرمایا تو منصب کی حیثیت سے نہیں بلکہ مطاعن روایت کے دفعیہ کے سلسلے میں، بطور علت دفع کرنا فرمایا کہ جس ذات میں وحی نبوت موجود ہیں وہاں ضلالت وغوایت اور ہوائے نفس کا کیا کام؟ جس سے خبر غیر معتبر ہوجائے اس سے صاف واضح ہے کہ خبر فرد کے اعتبار وحجیت کو وصف رسالت کے دباؤ سے نہیں منوایا جارہا ہے بلکہ رسول کی روایت کو معیار روایت پر پورا پورا اترنے اور اصول روایت کی رو سے مطاعن روایت سے پاک ہونے کی وجہ سے واجب الاعتبار قرار دیا جارہا ہے تاکہ خوب واضح ہوجائے کہ رسول کی روایت وصف رسالت سے الگ ہوکر اصول روایت کی رو سے، بھی واجب الاعتبار اور حجت وسند ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ رسول کی یہ خبر

جس کے نطق کی اس آیت میں اطلاع دی گئی ہے خبر فرد ہے تو خبر فرد کے وجود اور حجیت کا واضح ثبوت اصول روایت کی رو سے بھی قرآن سے نکل آیا۔

خبر فرد کا ثبوت غیر انبیاء سے

لیکن اس پر بھی اگر کوئی یہی کہے جائے کہ رسول کی بہر حال غیر معمولی شخصیت ہے اس لئے عمومی اور معمولی شخصیتوں کی خبر فرد کا ثبوت تو، معمولی ہی قسم کی شخصیتوں کی روایت سے ہو سکتا ہے نہ کہ پیغمبروں کی غیر معمولی شخصیتوں سے۔

تو میں عرض کروں گا کہ قرآن نے اس بارے میں بھی ہمیں روشنی بخشی ہے اور خبر فرد کا ثبوت غیر رسول اشخاص سے بھی نظم قرآنی میں موجود ہے۔

ارشاد ہے۔

وجاء رجل من اقصا المدينة يسعى قال يموسى ان الملاء يا تمرون بك ليقتلوك فاخرج انى لك من الناصحين فخرج منها خائفا	وہ ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑے ہوئے آئے کہنے لگے اے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام، اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں

فخرج منها خائفا یترقب ۔ (سورۃ القصص)

پس موسےٰ (علیہ الصلوۃ والسلام) وہاں سے نکل گئے خوف اور دہشت کی حالت میں ۔

ظاہر ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو خبر دینے والا پبلک کا ایک معمولی آدمی ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کی خبر مان لی جو بلاشبہ ایک فرد کی روایت تھی جماعت کی نہ تھی اور اس سے اثر بھی لیا، قلب پر تو خوف کا اور ظاہر پر خروج کا ۔ فخرج منھا خائفا اس خبر فرد کو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے مانا اور اس سے اثر اس لئے لیا کہ راوی میں کوئی طعن مطاعن روایت میں سے محسوس نہیں کیا ۔

چنانچہ اس لے اپنی روایت کی توثیق خود یہ کہہ کر کی کہ انی لك من الناصحین (میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں ، اس کا حاصل یہ ہوا کہ میں یہ خبر ہوائے نفس یا کسی کے بہکائے سکھائے سے غلط نہیں دے رہا ہوں بلکہ آپ کا خیر خواہ ہوں اور مخلصانہ طریق پر مطلع کرنے آیا ہوں ۔ ظاہر ہے کہ اوصافِ راوی کے سلسلہ میں سب سے بڑا وصف بے لوثی ہے جس سے خبر کی پوزیشن صاف ہوتی ہے ۔ پس شخص واحد، روایت کرے جو پیغمبر نہیں ، اور پیغمبر اس کی روایت کو قبول کر کے اس سے اثر لے یعنی غیر نبی کی روایت کو مان لے تو کیا اس سے بھی بڑھ کر خبر فرد کے ثبوت اور

اس کی حجیت کے معتبر ہونے کا کوئی اور ثبوت ہو سکتا ہے ؛ کہ وہ غیر نبی کی کی خبر ہو اور نبی کی قبول کردہ ہو۔ حالانکہ نبی کی ثقہ و عدالت کے سامنے غیر نبی کی ثقت و عدالت کوئی چیز ہی نہیں سمندر اور قطرہ کی بھی نسبت نہیں لیکن پھر بھی فرد واحد کی روایت اس لئے مان لی گئی کہ روایت اصول روایت کے مطابق تھی۔ راوی متہم نہ تھا، مجروح نہ تھا، اور ہوائے نفسانی سے خبر نہیں دے رہا تھا۔

بہرحال خبر فرد کا ثبوت قرآن نے اس طرح سے نہیں بلکہ مختلف اندازوں سے پیش کیا۔ ملائکہ کی نوع سے لے کر انبیاء تک اور انبیاء کی نوع سے لے کر غیر انبیاء کی نوع تک کی نظیریں اس بارہ میں پیش کیں جس سے، اندازہ ہوتا ہے کہ خبر واحد کی اس قسم خاص (خبر فرد) کے اثبات میں قرآن کو بہت زیادہ اہتمام ہے۔ گویا منکرین حدیث کے برعکس اور علی الرغم قرآن اس خبر کے اثبات پر زیادہ زور دے رہا ہے جس سے منکرین زیادہ گریزاں ہیں یعنی خبر فرد جسے وہ قابل التفات بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔ اگر کسی حد تک کچھ مانتے ہیں تو خبر متواتر کو کچھ مان لیتے ہیں جس کے لئے قرآن نے اپنی کوئی خصوصی نص بھی پیش نہیں کی صرف اپنے کو پیش کر دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منکرین حدیث دراصل منکرین قرآن بلکہ دشمنان قرآن ہیں اور یہ بھی کہ قرآن ان کا دشمن اور ان سے گریزاں ہے۔ وہ اگر خبر فرد

کو بالکل ہی نسیا منسیا کر دینا چاہتے تھے تو قرآن نے اسی کو اپنی آیتوں کے عددی تواتر سے ثابت کیا اور وہ متواتر کو ماننا چاہتے تھے تو اس کے اثبات کا کچھ زیادہ اہتمام نہیں کیا بہرحال خبر فرد کے سلسلۂ روایت میں کچھ خصوصی اہمیت ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے کئی کئی اندازوں سے توجہ دلائی۔

فاسق کی خبر کی شرطِ قبول

حتی کہ قرآن حکیم نے خبر فرد کے اثبات میں اسی پر بس نہیں کر دی کہ ملائکہ، انبیاء اور عوام کی خبروں کے ہی نظائر پیش کر دیئے ہوں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یا یوں کہنا چاہیئے کہ اور زیادہ تنزل کر کے فاسق کی خبر فرد کا بھی اعتبار کر لیا اور اسے بھی کلیتہً رد نہیں کیا۔ شرط البتہ، تبیین و تحقیق کی لگا دی کہ تحقیق اور چھان بین کے بعد اسے بھی قبول کر سکتے ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم	اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں کسی قوم پر تم مصیبت ڈھاؤ اور پھر اپنے

کیے پر پچھتاؤ۔ نادمین۔

اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے، باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں آجائے اور حجت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت میں ندامت اٹھانی پڑے جو کسی اہم اور بڑے ہی معاملہ کی شان ہوتی ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی قرآنی اصول پر قابل رد یا غیر معتبر نہیں بلکہ تبیین و تحقیق کے بعد معتبر اور بڑے بڑے معاملات میں حجت ہو جاتی ہے جس پر دیانتاً معاملہ کا فیصلہ ہوجاتا ہے، روکا اگر گیا ہے تو قبل از تحقیق اس پر عمل کرنے سے، نہ کہ مطلقاً، ورنہ یوں کہا جاتا کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا اعتبار مت کرو نہ یہ کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو۔

پس تحقیق کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ خبر دہندہ اور روایت کنندہ کے فسق و فجور سے اس کی خبر میں جو بے اعتباری کی گنجائش پیدا ہوگئی، بھی وہ ختم ہوجائے اور قابل اعتبار بن جائے مگر خبر بہرحال ایک ہی کی رہے گی اس لئے صاف ثابت ہوا کہ ایک کی روایت معتبر اور معاملات میں حجت ہے۔ اب اگر خبر دینے والا فرد فاسق بھی نہ ہو بلکہ غیر متہم، غیر مجروح ہو جیسے رجل یسعیٰ کی خبر تو وہ بلا تبیین بھی اس اصول سے قابل قبول بن سکتی

ہے اور اگر راوی غیر مجروح ہونے کے ساتھ ساتھ عادل و متقی، متدین اور امین بھی ہو جیسے ملائکہ و انبیاء اور صلحاء تو اس اصول پر اس کی بلا واسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لئے قطعاً تبیین و تحقیق کی ضرورت نہیں رہنی چاہیئے۔ لیکن اگر وسائط کی وجہ سے اس پر بھی تحقیق و تبیین کر لی جائے تو پھر تو، یہ خبر بطریقِ اولیٰ واجب الاعتبار بن جائے گی مگر بہر صورت رہے گی خبرِ فرد ہی، اس لئے خبر فرد جسے خبر غریب بھی کہتے ہیں قرآن کی رو سے معتبر اور حجت ثابت ہو گی، گو اس کی حجیت درجہ ظن ہی کی حد تک ہو کہ ظنیات بھی شرعاً حجت اور معاملات میں قانوناً مؤثر ہوتے ہیں کیوں کہ ظنیات کے معنی وہمیات کے نہیں بلکہ صرف اس کے ہیں کہ خبر پر وثوق و اعتماد کے ساتھ جانب مخالف کا احتمال بھی باقی رہے نہ یہ کہ اصل خبر بے اعتبار اور قابل رد ہو جائے۔

البتہ اس کے ساتھ اگر اس راویِ واحد کی روایت کی جو ثقہ اور عادل ہے تحقیق بھی کر لی جائے یعنی اس خبر کے متابعات و مؤیدات اور شواہد و قرائن بھی فراہم ہو جائیں تو پھر اسی خبرِ فرد سے ظن اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کی سرحد سے جا ملے۔ اور ایسی خبر اگر قطعیت کے ساتھ درجۂ یقین تک نہ پہنچے گی تو شبہ یقین تک ضرور پہنچ جائے گی۔ جس کا نام اصطلاح میں غلبۂ ظن ہے سو ایسی خبر اصول و آئین کی رو سے نہ

رد کی جا سکتی ہے نہ غیر معتبر ٹھہرائی جا سکتی ہے جب کہ قرآن کریم خبرِ فرد کے سلسلہ میں ایک فاسق کی خبر کو بھی کلیتہً غیر معتبر نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ بعد تبیین اسے معتبر قرار دیتا ہے تو ایک ثقہ اور عادل کی خبر کو اس قرآنی اصول کی روشنی میں کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟

اس لئے خبرِ فرد اور اس کی حجیت کا ثبوت آیاتِ بالا سے بہت کافی وضاحت کے ساتھ ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خبرِ فرد کی حجیت کا، منکر ان ساری آیتوں کا منکر ہے جسے بلاشبہ منکرِ قرآن کہا جائے گا۔ اور نہ صرف منکرِ قرآن بلکہ تمام کتب سماویہ اور تمام اخبار، ملائکہ و انبیاء کا منکر ثابت ہو گا۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ۔

تمام اقسامِ حدیث کا ماٰخذ قرآنِ کریم ہی ہے

بہر حال عدد کے لحاظ سے جب کہ یہ چار قسمیں حصر کے ساتھ اساسی اور معیاری ثابت ہوئیں تو اس کا قدرتی مقتضا یہ ہے کہ اس نوع کی بقیہ اقسام ان چار قسموں کی فروع ہوں اور ان کے ثبوت کے ضمن میں خود بھی ثابت شدہ سمجھی جائیں وجہ یہ ہے کہ سلسلۂ سند میں راویوں کی قلت و کثرت کا وہ عدد جس سے حدیث کی بنیادی قسمیں بنتی ہیں ایک سے شروع ہو کر چار ہی پر ختم ہو جاتا ہے اور چار ہی اساسی قسمیں بن جاتی ہیں جیسا کہ ابھی

گزرا کہ ایک ایک راوی کی روایت ہو تو خبرِ غریب ، دو دو کی ہو تو خبرِ عزیز ، تین تین کی ہو تو خبرِ مشہور ، اور تین و چار کی قید سے بالاتر ہو کر اتنے ثقہ اور عادل راویوں سے منقول ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادتاً محال ہو تو خبرِ متواتر ہے ۔ حدیث کی یہی چار قسمیں بلحاظ عدد رواۃ تمام اقسام کی جڑ ، بنیاد ہیں ۔

چار سے زیادہ والی روایت ہو تب بھی انہی چار کی فرع ہو گی اور ایک سے کم والی روایت ہو تب بھی ان ہی چار کی شاخ کہی جائے گی ۔ کیوں کہ یا وہ چار پر اضافہ ہو گا یا چار کا نقصان دونوں صورتوں میں نسبت ان چار ہی سے باقی رہے گی جس سے یہ کمی بیشی پہچانی جائے گی ۔ مثلاً اگر راویوں کا عدد چار سے بڑھ جائے اور اوپر سے نیچے تک جماعتیں روایت کریں تو وہ تواتر طبقہ ہو جائے گا جو قرآن کریم کی روایت کی شان ہے ۔ مگر یہ خبرِ متواتر ہی کی ایک نوع اور قسم کہلائے گی خبرِ متواتر سے الگ کوئی مستقل قسم نہ ہو گی کیوں کہ کسی شئی پر اضافہ اس شئی ہی کا تتمہ کہلاتا ہے جو اس کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اس سے الگ مستقل نوع ۔ اسی طرح ان روایتوں میں سے ایک ایک راوی والی روایت میں سے اگر کہیں ایک سے بھی عدد گھٹ جائے ، جس ایک سے خبرِ غریب بنتی تھی تو وہ روایت رتبہ میں خبرِ غریب سے کم ہی مگر خبرِ غریب ہی کی شاخ کہلائے گی ۔ مثلاً اگر ابتدائِ سند میں دجو ہماری

جانب ہے، ایک راوی کم ہو جائے تو وہ حدیث معلق کہلائے گی۔ انتہائے سند میں جو صحابیؓ کی جانب ہے، ایک راوی گھٹ جائے تو وہ مرسل کہلائے گی۔ اور درمیان میں سے گھٹ جائے تو معضل کہلائے گی مگر یہ تینوں قسمیں خبرِ غریب ہی کی شاخ شمار ہوں گی۔ کیوں کہ یہ سب وہی ایک ایک راوی والی روایتیں ہیں جن میں کہیں کہیں ایک سے بھی عدد گھٹتا گیا ہے۔ بس مذکورہ بالا چار کے عدد پر اضافہ سے پیدا شدہ قسم متواتر کی قسم ہو گی۔ اور ایک کی کمی سے پیدا شدہ قسم غریب کی قسم ہو گی۔ اس لئے جو ماخذ خبرِ غریب اور خبرِ متواتر کا ہو گا وہی ان فروعی اقسام کا بھی ہو گا کیوں کہ یہ نئی اقسام نہیں بلکہ وہی خبرِ غریب اور خبرِ متواتر ہیں جن میں فرق اگر ہوا ہے تو عدد کی قلت و کثرت کی وجہ سے صفات اور احکام کا ہوا ہے خبر کی ذات کا نہیں ہوا، ذات خبر کی وہی کی وہی ہے جسے غریب یا متواتر کہا گیا تھا اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ خبرِ غریب اور متواتر، اور عزیز و مشہور کا، ماخذ قرآن ہے تو ان کی فروعات کا ماخذ بھی قرآن ہی ہو گا جب کہ یہ فروعات ذرا سے صفاتی فرق سے بعینہٖ وہی اصل ہیں۔ اس لئے بے تکلف دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ عدد رُوات کی قلت و کثرت سے پیدا ہونے والی تمام اقسامِ حدیث قرآن سے ثابت ہیں کیوں کہ جب ان کے اصول قرآن سے ثابت ہیں تو یہ فروع بھی یقیناً قرآن سے ثابت ہیں۔ بالخصوص جب کہ

یہ قسمیں بجنسہٖ وہی اصل قسمیں ہیں فرق ذات کا نہیں صرف شئون وصفات کا ہوا ہے۔

اوصاف رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں

پھر قرآن کریم نے اسی پر بس نہیں کی کہ عدد رواۃ کے لحاظ ہی سے حدیث کی اساسی قسموں پر روشنی ڈالی ہو بلکہ حدیث کی ان بنیادی قسموں کی طرف بھی اصولاً راہ نمائی کی ہے جو راویوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کے اوصاف کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہیں اور اپنی نوع کی بقیہ اقسام کے لئے معیار ومنشار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ حدیث کی دوسری تقسیم اوصاف رواۃ کے لحاظ سے کی جاتی ہے اور انہی اوصاف کے معیار سے راوی کے ثقہ غیر ثقہ، معتبر غیر معتبر، اور پھر اعتبار کے متفاوت درجات اعلیٰ وادنیٰ" کا فیصلہ کیا جاتا ہے سو ان اوصاف کی بنیادیں بھی قرآن کریم ہی نے قائم کی ہیں جیسا کہ عددی روایتوں میں راویوں کی معیاری تعدادیں بھی قرآن ہی نے متعین کی تھیں۔

دو اصولی صفات عدالت اور ضبط

چنانچہ پہلے اس پر غور کیجئے کہ راوی کے وہ تمام اوصاف جو بلحاظ، روایت اس کی قبولیت کا معیار بن سکتے ہوں دو اصولی صفات کی طرف

راجح ہوتے ہیں۔ عدالت اور ضبط۔ اگر روایت کے راوی عادل ہوں جن میں عدالت کا فقدان یا نقصان نہ ہو اور ادھر وہ ضابط ہوں جن میں حفظ و ضبط اور تیقظ و بیداری کا نقصان یا فقدان نہ ہو اور قلت عدالت و ضبط سے جو کمزوریاں راوی کو لاحق ہوتی ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے، ان سے راوی پاک ہوں اور ساتھ ہی سند مسلسل اور متصل ہو تو وہ روایت صحیح لذاتہٖ کہلائے گی جو اوصاف راوی کے لحاظ سے روایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیوں کہ اس میں عدالت و ضبط مکمل طریق پر موجود ہے جو راویوں کو ثقہ اور معتبر ثابت کرتا ہے اس لئے اس دائرہ میں حدیث کی یہ قسم بنیادی اور اساسی کہلائے گی اس کے بعد جو قسم بھی پیدا ہوگی وہ ان اوصاف کی کمی بیشی اور نقصان یا فقدان سے پیدا ہوگی اس لئے وہ اسی خبر کی فرع کہلائے گی۔

نقصان و فقدانِ عدالت!

مثلاً اگر راوی ساقط العدالت ہو تو اس نقصان عدالت یا فقدانِ عدالت سے پانچ اصولی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مطاعن حدیث کہا جاتا ہے۔ کذب۔ تہمت۔ کذب۔ فسق۔ جہالت۔ بدعت۔ یعنی راوی کاذب ہو، یا کذب کی تہمت لئے ہوئے ہو۔ یا فاسق ہو، یا جاہل، یا نادان ہو یا بدعتی ہو تو کہا جائے گا کہ وہ عادل نہیں اس لئے اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔

نقصان وفقدانِ ضبط

اسی طرح اگر راوی ضابطہ نہ ہو تو اس نقصان حفظ یا فقدانِ حافظہ سے بھی پانچ ہی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جو روایت کو بے اعتبار بنا دیتی ہیں۔ فرطِ غفلت۔ کثرۃ غلط۔ مخالفت ثقاۃ۔ وہم۔ سوءِ حفظ یعنی غفلت شعار اور لاابالی ہو۔ جس میں تیقظ اور احتیاط، اور بیدار مغزی نہ ہو۔ یا کثیر الاغلاط ہو۔ یا ثقہ لوگوں سے الگ نئی اور مخالف بات کہتا ہو یا وہمی ہو، اسے خود ہی اپنی روایت میں شبہ پڑ جاتا ہو۔ یا حافظہ خراب ہو یا بات بھول جاتا ہو۔ تو کہا جائے گا کہ یہ راوی ضبط وحفظ کا مضبوط نہیں اس لئے اس کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن اس نقصانِ عدالت وضبط یا ان دس مطاعن کے درجات ومراتب ہیں۔ اگر ان صفات عدل وضبط میں کوئی معمولی سی کمی ہو مگر روایت کے اور طریقوں اور سندوں کی کثرت سے ان کمزوریوں کی تلافی ہو جائے تو اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہیں گے اگر یہ تلافی اور جبر نقصان نہ ہو اور وہ معمولی کمزوریاں بدستور قائم رہ جائیں تو حدیث حسن لذاتہ کہلائے گی۔ اگر اس حالت میں بھی کثرت طرق سے تلافئ نقصان ہو جائے تو حدیث حسن لغیرہ کہلائے گی اور اسی نسبت سے ان کے اعتبار اور حجیت کا درجہ قائم ہو گا۔

صحیح لذاتہ بلحاظ اوصافِ رُواۃ

پس اوصاف رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی چار اساسی قسمیں نکل آئیں صحیح لذاتہ ۔ صحیح لغیرہٖ ۔ حسن لذاتہ ۔ حسن لغیرہ ۔ اور ان میں بھی بنیادی قسم صحیح لذاتہ ہے جو اپنے دائرہ میں سب سے اونچی قسم ہے ۔ بقیہ تین قسمیں اسی میں کمی آجانے سے بن جاتی ہیں ۔ جیسے عددی روایتوں میں بنیادی قسم متواتر تھی اس میں کمی اور کمزوری آجانے سے بقیہ تین قسمیں بن جاتی ہیں ۔

پھر ان تین قسموں میں مطاعن کی کمزوریوں میں سے کوئی کمزوری اگر اور زیادہ بڑھ جائے تو حدیث ضعیف کی اور قسمیں پیدا ہو جائیں گی ۔

مثلاً اگر عدالت کی کمی کذب راوی سے ہو تو وہ حدیث موضوع کہلائے گی تہمت کذب سے ہو تو متروک ۔ جہالت راوی سے ہو تو مبہم ۔ یا مثلاً ۔ ضبطِ راوی میں کمی کی وجہ سے فرطِ غفلت ، یا کثرۃ غلط ۔ یا مخالفت ثقاۃ ۔ کے مطاعن پیدا ہو جائیں تو حدیث شاذ کہلائے گی ۔ یا وہم ونسیانِ ، راوی ہو تو معلل ، یا سوءِ حفظ ہو تو مختلط کہی جائے گی ۔ مگر یہ ساری قسمیں اگر غور کیا جائے تو انہی تین مذکورہ قسموں بلکہ ایک ہی بنیادی قسم صحیح لذاتہ میں کمی اور کمزوری آجانے اور اس کمزوری کے متفاوت مراتب نمایاں ہو جانے سے پیدا ہوئی ہیں اس لئے ان سب کو اسی ایک اونچی قسم کی ،

شاخیں کہا جائے گا ۔ اس لئے جو ماخذ اس ایک قسم کا ہوگا وہی ان سب کا بھی ہوگا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خبر صحیح لذاتہ کا ماخذ قرآن کریم ہے اول تو خود قرآن کی روایت ہی صحیح لذاتہ ہے، اس لئے بھی صحیح لذاتہ کا ماخذ قرآن ہی ثابت ہوگا پھر قرآن ہی نے صحیح لذاتہ کی شرائط وصفات کا قانون وضع کیا ہے اس لئے بھی وہی ماخذ ہے ۔

چنانچہ روایت کے راویوں کے ان دونوں بنیادی اوصاف عدالت وضبط کو خبر کے رد وقبول کا معیار قرآن ہی نے قرار دیا ہے جو صحیح لذاتہ کی جوہری ، حقیقت ہے کیونکہ قرآن نے اوصاف رواۃ کی یہ بنیادی شانیں عدالت وضبط شہادت میں قائم کی ہیں ۔ اور ہم سابق میں عرض کر چکے ہیں کہ شہادت درحقیقت روایت ہے اس لئے خبر شہادۃ کے لئے مشاہدین عدل وضبط کی قید درحقیقت جنس خبر کے راوی میں قید لگائے جانے کے مترادف ہے ۔ کیوں کہ خبر ہونا دونوں جگہ قدر مشترک ہے یہ الگ بات ہے کہ شہادت قانونی خبر ہے تو اس کے راوی میں عدالت وضبط بدرجۂ کمال ہونا چاہیئے اور روایت محض دیاناتی خبر ہے تو اس میں ان اوصاف کی کمی بیشی بھی، حسب تفاوت مراتب قابل قبول ہے لیکن نفس خبر کے لئے بہرحال راوی کا عادل وضابط ہونا ضروری ہے ۔ سو قرآن حکیم نے شہادت کے لئے عدالت کی شرط تو اس آیت میں لگائی ۔

واشهدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشهادة لله۔ | اور دو عادل لوگوں کو اپنے میں سے گواہ بنا لیا کرو اور شہادۃ قائم کرو۔

اس سے شاہد کی شہادت کے قبولیت کا معیار عدالت نکلا جو درحقیقت خبر کے قبول کا معیار ہے۔ شہادت کے لئے دوسری شرط قرآن نے حفظ وضبط ذکر کی کہ شاہد کا حافظہ بھی متہم نہ ہو جس کا اصطلاحی لقب ضبط ہے۔ فرمایا گیا۔

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى الآیۃ | اور گواہ بنا لیا کرو مردوں میں سے دو کو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں جن کو تم پسندیدہ سمجھو، گواہوں میں سے کہ ایک ان میں بھول جائے تو دوسری یاد دلادے۔

حاصل یہ ہوا کہ گواہوں میں اگر عورت ہو تو عورت کے لئے ایک مرد کی جگہ دو کی قید اس لئے رکھی گئی کہ اگر ایک سے بھول چوک ہو جائے جو عورت میں بوجہ معاملات میں زیادہ دخیل اور بارسوخ نہ ہونے اور عدالتی کاموں سے سابقہ کم پڑنے کے زیادہ محتمل ہے، تو دوسری یاد دہانی کا فرض انجام دے تاکہ شہادت اور روایت واقعہ میں نسیان سے غلطی نہ ہونے پائے جس سے معاملہ بگڑ جائے اس سے واضح ہے کہ راوی شاہد میں بھول چوک کا غالب احتمال ہوتے ہوئے اس کی شہادت وروایت معتبر نہیں رہتی جب تک کہ اس احتمال نسیان

کی تلافی کی صورت پیدا نہ ہو جاتی ظاہر ہے کہ جب احتمال نسیان بھی روایت کو مخدوش کر دیتا ہے تو خود نسیان کی صورت میں تو شہادت روایت کا، اعتبار ہی کیا باقی رہ سکتا ہے۔ اس سے یہ اصول نکل آیا کہ راوی یا شاہد ناقص الحفظ اور قلیل الضبط ہو تو اس کی روایت و شہادت معتبر نہیں ہو سکتی جس سے مطاعن حدیث کے دو بنیادی وصفوں پر روشنی پڑ گئی کہ وہ ضدِ عدالت یعنی ظلم ہے جیسے فسق و فجور کہتے ہیں اور ضد حفظ یعنی نسیان ہے۔ پس یہ دونوں وصف جس درجہ میں بھی راوی میں ہوں گے اس کی روایت مخدوش ہو جائے گی۔ باقی آیت کریمہ میں دفع نسیان کی حد تک عورت کی تخصیص اس لئے نہیں کی گئی کہ مرد کے لئے روایت میں نسیان اور بھول چوک قابلِ اعتراض یا مطاعن روایت میں سے نہیں بلکہ اس لئے کہ عورت میں اس قسم کے نسیان کا مظنہ غالب ہے جب کہ عادۃً اسے ایسے عدالتی کاموں میں پڑنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے اور ساتھ ہی اس کا معاملاتی فہم بھی اتنا اونچا نہیں کہ بلا امداد غیرے قابل اعتماد ہو سو یہ تخصیص واقعہ کی، خصوصیت ہوئی، اصول میں تخصیص نہیں ہوئی۔ نیز جب مرد کے لئے۔

ممن ترضون کی قید لگا دی گئی جس سے شاہد کے ساتھ طالب شہادت کی رضا ضروری ٹھہری اور ظاہر ہے کہ شاہد مرضی و پسندیدہ وہی ہو سکتا ہے جو شرائط شہادت یعنی حفظ و ضبط میں کمزور اور متہم نہ ہو اس لئے

عورت کے لئے بوجہ مذکور اگر حفظ وضبط صراحتاً ذکر کیا گیا تو مرد کے لئے بعنوانِ رضا اس کا تذکرہ فرمایا گیا ۔ اس لئے اس اصول سے جو آیتِ کریمہ سے نکلا شہادت کے لئے اور جب کہ شہادت ہی خبر ہے تو خبر و روایت کے لئے خواہ اس کا راوی مرد ہو یا عورت ضبط و حفظ کا وجود ضروری ہے اور یہ کہ نسیان یا قلبِ حفظ روایت کے حق میں طعن اور سقوطِ اعتبار کا سبب ہے ادھر راوی کے لئے عدالت پہلی آیت سے ثابت ہو چکی ہے تو دونوں آیتوں کے مجموعہ سے خود بخود نکل آیا کہ قرآنی اصول پر ناقابل ردشہادت اور واجب التسلیم روایت وہی ہو سکتی ہے جس کے راوی عادل وضابط ہوں اور ان میں نہ ضعفِ حفظ ہو نہ ضعفِ عدالت ، بس ایسی ہی روایت کا نام محدثین کی اصطلاح میں صحیح لذاتہٖ ہے ۔ خواہ اسے ایک راوی روایت کرے یا دو ، یا تین ، یا اس سے ، زیادہ ۔ اس لئے حدیث صحیح لذاتہٖ اوصافِ رواۃ کے لحاظ سے اساسی اور بنیادی قسم ثابت ہوئی جس کی بنیاد قرآن عزیز نے رکھی اور اس کے راوی کے اوصاف عدالت و ضبوط شخص کئے ۔

قرآن نے عدالت و ضبط کے ساتھ ان کے نقصان و فقدان سے پیدا ہونیوالی دس کمزوریوں کی وضاحت کر دی ہے

اس سے بڑھ کر مزید تدبر کیا جائے تو واضح ہو گا کہ قرآن نے اوصافِ رواۃ

کے سلسلہ کے صرف یہ دو بنیادی وصف ہی بیان نہیں کر دیئے جنکا نام عدالت وضبط ہے بلکہ ان کے نقصان وفقدان سے جو دس مطاعن روایت پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف واضح اشارے فرمادیئے ہیں چنانچہ قرآن حکیم کی سند بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اس کے ابتدائی رجال پر روشنی ڈالی کہ خود حق تعالےٰ سے قرآن کی روایت کرنے والے تو جبریل امین ہیں اوران سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت فرمارہے ہیں اس سلسلۃ الذہب کی کڑیوں اور ان کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن نے فرمایا۔

انه لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰه بالافق المبین وما هو علی الغیب بضنین وما هو بقول شیطان رجیم۔

یہ قول ہے رسول کریم (جبریلؑ) کا جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک ذی مرتبہ ہے اس کی اطاعت کیجاتی ہے وہ امانت والا ہے اور تمہارا ساتھی (محمدؐ) مجنون نہیں ہے اس نے جبریل کو افق میں دیکھا ہے اور وہ غیب کے بارے میں بخیل نہیں ہے اور نہ وہ قول ہے شیطان رجیم کا۔

رسول کریم سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں جنہوں نے قرآن کے ساتھ تقول کیا اور رسول اکرمؐ کو پڑھ کر سنایا، پس جبرئیل راویٔ اول ہیں قرآن نے یہ نہیں

کہا کہ چونکہ جبرئیلؑ فرشتہ ہیں تو ان کی ملکیت کی وجہ سے اس روایت کو واجب التسلیم سمجھو، گویا ان کی بزرگی کا دباؤ مان کر روایت کو مانو، نہیں بلکہ ان کی روایت کو بھی اصول روایت پر پرکھ کر ہی واجب القبول ہونے کا حکم کیا گیا ہے چنانچہ جبرئیلؑ سے متعلق بیان فرمودہ اوصاف میں خصوصیت سے جو اوصاف قبولیت روایت سے متعلق ہیں وہ تین ہیں۔ رسول کریم، امین یعنی رسالت، کرامت، امانت اور انہی تین وصفوں سے چونکہ دسوں مطاعن حدیث منفی ہو جاتے ہیں اس لئے جبرئیلؑ کی روایت واجب القبول ہوئی نہ کہ محض فرشتہ ہونے کی وجہ سے، چنانچہ غور کیا جائے تو رسالت کی حقیقت علم ہے کیوں کہ نبوت کی بنیاد ہی علم پر ہے اس لئے رسالت الٰہی درحقیقت علم الٰہی ہے اور جب کہ علم کی ضد جہل ہے تو جبرئیل امین کو رسول کہنے سے جہالت ان میں منفی ہو گئی جو دس مطاعن روایت میں سے ایک ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ رسالت ہی شریعت ہے جس کے لئے اتباع و انقیاد ضروری ہے

ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها .	پھر ہم نے کر دیا ہے تمہیں اے پیغمبرؐ امر کی شریعت پر سو آپ اسکا اتباع کیجئے

اور متبع کبھی مبتدع نہیں ہو سکتا اس لئے رسالت ہی کے لفظ سے بدعت بھی منفی ہو جاتی ہے۔ پھر جہالت ہی کا ایک شعبہ مخالفت ثقات بھی ہے کیونکہ جس روایت کو بہت سے ثقہ لوگ روایت کر رہے ہوں ایک شخص ان سب کے خلاف بالکل نئی بات کہے تو اسے حقیقت نہیں مخالفت حقیقت کا نام دیا

جائے گا اور راوی کا وہم کہا جائے گا جو علم کی قسم نہیں جہل کی اقسام میں سے ہے اس لئے رسالت کے لفظ سے جب جہالت منفی ہوئی تو مخالفت ثقات بھی منفی ہوگئی اور اسی طرح وصف رسالت سے تین مطاعن روایت منفی ہوئے جہالتؒ ، بدعتؒ ، مخالفت ثقاتؒ ، جبرئیلؑ کی دوسری صفت کریم بیان کی گئی ہے۔ کرامت کے لئے حسب نص قرآنی تقوٰی لازم ہے ۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم	تم میں سب سے زیادہ کرامت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

اور تقوٰی کے معنی حسب ارشادِ قرآنی دین کے معاملہ میں تذکر ملکۂ یادداشت ذکر اور تیقظ کے ہیں

ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون	جو لوگ تقوٰے اختیار کرتے ہیں جب انہیں کوئی جماعت شیطانوں کی چھو دیتی ہے تو وہ بیدار ہو جاتے ہیں اور اچانک دیکھنے لگتے ہیں ۔

اس سے واضح ہے کہ کریم و متقی یعنی ذاکر و متذکر کبھی غافل وہمی سیّٔ الحفظ اور کثیر الاغلاط نہیں ہو سکتا ورنہ وہ ذاکر ہی کیا ہوا ؛ اس لئے صفت کرامت سے فرط غفلت ، وہم اور سوءِ حفظ ، اور کثرۃ غلط منفی ہوگئے ۔ پھر تقوٰے کی ضد فسق وفجور ہے ۔ چنانچہ عرف شرع اور لغت میں متقی کا مقابل فاسق آتا ہے اسلئے جو کریم ہو کر متقی ہوگا وہ کبھی فاسق نہیں ہو سکتا تو کریم ہی کے لفظ سے فسق کی صفت بھی

منفی ہوگئی اسلئے صفت کرامت سے فرطِ غفلت، کثرۃ غلط، وہم، سوء حفظ، اور کثرۃ فسق چاروں مطاعن حدیث منفی ہوئے۔

تیسری صفت امین بتائی گئی جو روایت کے بارے میں اصل اصول ہے، امانت ضدِ خیانت ہے، اور خیانت فی الروایت کے افراد میں سے کذب اور تہمت کذب کا ہونا واضح ہے اس لئے امانت سے کذب اور تہمت کذب کی صفت منفی ہوگئی۔ پس تین مطاعن جہالت، بدعت، مخالفت ثقاۃ، تو صفت رسالت سے منفی ہوئے پانچ مطاعن فرطِ غفلت، کثرۃِ غلط، وہم سوء حفظ، اور فسق، صفت کرامت سے منفی ہوئے اور دو مطاعن کذب اور تہمتِ کذب صفت امانت سے منفی ہوئے۔

اس طرح حدیث کے مطاعن عشرہ کی جبرئیل امین سے نفی ہوگئی۔

ادھر مثبت انداز میں انہیں ذی قوۃ کہا گیا کہ وہ کسی سے دبنے والے نہیں کہ دب کر کچھ کا کچھ کہہ دیں اور جان بوجھ کر دباؤ سے روایت کو غلط کر دیں پھر عند ذی العرش مکین کہا گیا، اگر مکین کے معنی مقیم کے ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ عرش والے خدا کے پاس رہتے ہیں انہیں اس سے غایت درجہ قرب ہے بُعد کا نشان نہیں اس لئے انکا قول بلحاظ روایت بھی محفوظ ہے اور بلحاظ سماع بھی محفوظ ہے نہ سننے میں غلطی، نہ کہنے اور روایت کرنے میں کوئی ادنیٰ قصور، جس کو محدثین کی اصطلاح میں تحمل اور ادا کہتے ہیں یعنی تحمل روایت بھی مضبوط اور ادا روایت بھی مضبوط اس سے محدثین کے ان دو اصولوں (تحمل اور ادا) کا ماخذ بھی قرآن ہی ثابت ہوا۔ اور اگر مکین

کے معنٰی ذی عزت کے لئے جائیں تو حاصل یہ ہوگا کہ وہ عند اللہ باعزت اور بارتبہ ہیں بارگاہِ حق میں ان کا احترام ہے، سو ایسا مقبولِ خداوندی، روایت میں کتر بیونت کیسے کر سکتا ہے؟

پھر انہیں مطاع کہا گیا جس سے انکی مقبولیت عامہ واضح کی گئی جس سے ان کی روایت کا کمال احترام نمایاں ہوتا ہے گویا وہ ان کی بات اس درجہ مقبول ہے کہ ملائکہ کا عالم ان کی بات سننے کے اشتیاق میں رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عند اللہ و عند الخلق ان کی محبوبیت و مقبولیت واضح کردی گئی جس سے راوی قرآن کی ذاتی، پوزیشن بھی نمایاں ہو گئی اور روایت کے سلسلہ کے اوصاف بھی واضح ہو گئے، اور ساتھ ہی ان اوصاف کی اضداد بھی منفی ہو گئیں تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کی روایت جو جبرئیل امین کے ذریعہ پیغمبر تک پہنچی محض اس لئے واجب التسلیم نہیں کہ وہ فرشتہ کی روایت ہے بلکہ اس لئے بھی واجب القبول ہے کہ وہ اصول روایت پر پوری اتر رہی ہے۔ ادھر قرآن کے دوسرے راوی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، سو ان کی روایت کے بارہ میں بھی محض یہ کہدینے پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ پیغمبر اور سرورِ انبیاءؑ و رسل ہیں، لہذا ان کی روایت کو مانو بیشک قبولِ روایت کیلئے یہ سب سے بڑا سبب اور محرک ہے مگر ایسا کہدیئے جانے سے فنی طور پر اصول روایت کی روشنی میں روایت میں ثبوت نہ ہوتا جو منکر پر بھی حجت بن سکتا اس لئے مقدس راوی ثانی کی توثیق بھی اصول روایت ہی کے لحاظ سے فرمائی گئی اور چار اوصاف بیان فرمائے گئے تین منفی،

قسم کے اور ایک مثبت قسم کا۔ منفی اوصاف یہ ہیں کہ آپ مجنون نہیں۔ ظاہر ہے کہ مجنون کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی جب تک راوی عاقل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ غیب کے علوم کی اطلاع میں بخیل نہیں، بلکہ افادۂ عامہ کا جذبہ رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ علم میں بخل ہو تو آدمی اسکے اظہار میں کتر بیونت اور قطع و برید کرتا ہے جس سے روایت کبھی پوری ادا نہیں اور ناقص روایت سے مفہوم پورا نہیں ہو سکتا جو روایت کا سب سے بڑا عیب اور از قسم خیانت ہے مگر جو شخصیت افادی جذبہ رکھتی ہے اور اس میں علمی بخل کا نشان نہ ہو جو اکثر ارباب کمال میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی شخصیت روایت کی ادا میں ہمہ وقت کوشاں اور منہمک رہے گی اور اس سے نقص روایت کی غلطی کا ہو جانا ممکن نہ ہو گا۔

تیسرے یہ کہ یہ قرآن کسی شیطان رجیم کا قول نہیں بلکہ مقدس پیغمبر کا قول ہے شیطان سرچشمہ ہوتا ہے تمام معائب و خبائث کا۔ اور اس کے بالمقابل پیغمبر سرچشمہ ہوتا ہے تمام محاسن و کمالات کا جس سے پیغمبر کی جامعیت کمالات واضح کی گئی ہے جو روایت کی توثیق کیلئے کافی دلیل ہے۔

چوتھا وصف فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے جبرئیل کو افق مبین میں دیکھا ہے یعنی آپ جس راوی سے قرآن کی روایت لے رہے ہیں اسکا مشاہدہ آپکو حاصل ہے جو روایت میں ایک بنیادی اور اہم مقام ہے پس پیغمبر میں جامعیت کمالات ثابت کر کے تو تمام ان مطاعن کی نفی کر دی گئی جو جبرئیل سے کی گئی تھی اور رؤیت جبرئیل

کا ذکر کر کے روایت کی بنا، مشاہدہ پر ثابت کی گئی جو اصولِ روایت کے لحاظ سے بنیادی چیز ہے۔

روایت صحیح لذاتہ اور آیاتِ قرآنی

اس سے واضح ہوگیا کہ قرآن حکیم نے نہ صرف اوصافِ روایت کے دو بنیادی اصولوں عدالت اور ضبط ہی کو سامنے کر دیا ہے بلکہ ان دو کی ضد سے جو اوصاف ذمیمہ اور روایت کے حق میں دس مطاعن پیدا ہوتے تھے ان کی بھی تفصیل فرما دی بالفاظ دیگر فن روایت کی فنی بنیادیں کھول دیں جن سے صحیح روایتوں کا آئینی وجود عمل میں آیا اور فن روایت دنیا میں ظاہر ہوا، جو اب تک نہ تھا، ساتھ ہی محدثین کی جلالت قدر بھی واضح ہوگئی کہ انہوں نے فن روایت کے وہ تمام اصول نکھار کر سامنے رکھ دیئے جن کی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں یعنی اتباع قرآن کی برکت سے ان کا ذہن ان تمام اصولِ روایت تک پہنچ گیا جو قرآن کے نظم میں سپٹے ہوئے بطور مخفی خزانہ کے محفوظ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اوصاف رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی بنیادی قسم صحیح لذاتہ ہے جس کے بنیادی اوصاف دو ہیں عدالت و ضبط اور ان دو کے فقدان سے اس کے منفی اوصاف دس ہیں۔
فقدانِ عدالت سے پانچ۔ کذب، تہمتِ کذب، فسق، جہالت، بدعت، اور فقدان ضبط سے پانچ۔ فرطِ غفلت، کثرتِ غلط، مخالفت ثقاۃ، وہم، سوءِ حفظ اور ان سب مثبت و منفی اوصاف کو صاف صاف قرآن حکیم نے بیان ہی نہیں

کیا بلکہ ان کی بنیادیں رکھیں، کسی کی عبارۃ النص میں اور کسی کی دلالت واقتضاء میں اور پھر ان بنیادوں پر آئی ہوئی روایتوں پر دین و دنیا کے سارے معاملات فیصل کرنے کی بنیاد رکھی اس لئے حدیث صحیح لذاتہ کا انکار درحقیقت قرآن کی، سینکڑوں آیتوں کا انکار ہے اسلئے کسی منکر حدیث کے لئے جو اتباع قرآن کا نام نہاد مدعی ہے کم ازکم اس روایت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جسکا نام صحیح لذاتہ ہے اب رہیں اس دائرہ کی دوسری انواع حدیث جن کی تفصیل ابھی گزری سو وہ اسی صحیح لذاتہ سے پیدا شدہ ہیں کیونکہ صحیح لذاتہ کے راویوں کے اوصاف عدالت وضبط میں نقصان یا فقدان سے یہ قسمیں حسب مراتب نقصان وفقدان بنتی ہیں اسلئے یہ ساری قسمیں اسی صحیح لذاتہ کی شاخیں اور فروع مانی جائیں گی کیونکہ ان کا وجود ہی صحیح لذاتہ کی طرف نسبت ہو جانے سے بنتا ہے۔ چنانچہ ان کی تعریف میں اولاً اسی کا ذکر آئے گا اور کہا جائیگا کہ صحیح کے خلاف وصف کی کمی سے فلاں قسم بنی اور فلاں وصف کے نقصان سے فلاں قسم، اور ظاہر ہے کہ جب ان اقسام کا وجود بھی بلا صحیح لذاتہ کے ذکر کے سمجھ میں نہیں آسکتا تو یہ اسی کی کھلی علامت ہے کہ ان اقسام کا کوئی اپنا مستقل وجود نہیں بلکہ صحیح لذاتہ کے احوال وعوارض کے تابع ہے یہ احوال وعوارض گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں تو یہ قسمیں بن جاتی ہیں ورنہ نہیں اور ظاہر ہے کہ جب ان اقسام یعنی صحیح لذاتہ اور اس کے رواۃ کے احوال واوصاف کا مآخذ قرآن حکیم ہے تو ان توابع اور فروع کا مآخذ بھی قرآن ہی مانا جاوے گا

ورنہ ان کی ثابت شدہ تبعیت اور فرعیت باقی نہ رہے گی جس کے معنی یہ ہیں کہ اقسام
ہی باقی نہ رہیں گی اسلئے لامحالہ جیسے یہ وجود میں صحیح لذاتہ کے تابع ہیں ایسے ہی،
ثبوت میں بھی اسی کے تابع رہیں گی اور اس صحیح لذاتہ کا ثبوت قرآن سے واضح ہے۔
جیساکہ ابھی تفصیل سے عرض کیا گیا۔ تو انکا ثبوت قرآن ہی سے ثابت ہوگیا ورنہ یہ کیسے
ممکن ہے کہ تخم کا معدن تو زمین ہو اور شاخوں کا معدن زمین نہ ہو۔

حدیث میں جرح و تعدیل کا معیار بھی قرآن ہے

بہرحال ہم نے جنس حدیث کا ثبوت آیت ان علینا بیانہ
سے پیش کیا تعداد رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی چار بنیادی قسموں میں سے ایک
قسم متواتر کا ثبوت مجموعۂ قرآن کی روایت اور پھر قرآن کے قرآن ہونے کی خبر سے
پیش کیا جس کے ضمن میں جنس حدیث اور نفس روایت کا بھی مکرر ثبوت ہوگیا اور پھر
ان چار میں سے بقیہ تین قسموں خبر مشہور، خبر عزیز، خبر غریب کا ثبوت الگ الگ
صریح آیات سے پیش کیا جس سے اندازہ ہونا چاہئے کہ راویوں کی عددی قلت وکثرۃ
اور وحدت و تعدد کے معیار سے روایت کی جو بنیادی قسمیں بنتی ہیں اور محدثین نے
فن مصطلحات الحدیث میں ذکر کی ہیں ان سب کی بنیادیں قرآن حکیم ہی کی قائم کردہ
ہیں پھر اسی طرح راویوں کے وہ اوصاف واخلاق جن سے ان کی روایت قابل،
قبول بنتی ہیں اور پھر ان میں بھی وہ مرکزی صفات جن کی طرف تمام اوصاف رواۃ رجوع
رکھتے ہیں، قرآن حکیم ہی نے متعین فرمائے اور وہ عدالت اور ضبط ہیں جن کیلئے دو واضح

آیات پیش کی گئیں پھر ان کے نقصان و فقدان سے جو دس مطاعن پیدا ہوتے ہیں
ان کی اصلیں بھی قرآن ہی نے قائم کیں۔ غرض حدیث کی روایت کے اصول و فروع
کی تاسیس قرآن نے کی جس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ حدیث کی جنس ہی نہیں بلکہ،
اسکی بنیادی قسموں اور اساسی اوصاف تک کی بنیاد بھی قرآن حکیم ہی نے رکھی ہے
اور کیوں رکھی؟ جواب یہ ہے کہ خود اپنی ہی ضرورت سے اسے اپنی شرح و تفسیر منظور
تھی تو اس نے روایت و خبر اور حدیث کے موضوع سے دنیا کو آشنا کیا جس سے
اقوام عالم بے خبر تھیں وہ نہیں جانتی تھیں کہ روایت و سند کیا چیز ہے اس کے
صحت و سقم کا معیار کیا ہے؟ عدداً کیا ہے، اور صفۃً کیا ہے؟ اور اس کے معیاً
سے طبعی طور پر کتنی قسمیں بن سکتی ہیں جس میں سے بعض بعض سے پیدا شدہ ہو سکتی
ہیں ان کے اعتبار و حجت کے مراتب و درجات کیا ہونے چاہئیں، ان کے احکام
و شرائط کیا ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ تاکہ اس فنی طریق روایت سے پیغمبر کے اقوال
و افعال امت کے سامنے آئیں اور کلام الٰہی کی قولی و عملی تفسیر بنیں اور دنیا اسوۂ
حسنہ سے روشناس ہو اسلئے اسناد و روایت اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت
ہے جو دوسرے مذاہب کو میسر نہیں کیونکہ قرآن نے ہی اس طریق استناد و تحقیق و
اور تبیین روایت کی اساس قائم کی ہے جس پر وہ خود بھی قائم ہے اور اس کا،
بیان ،حدیث، بھی قائم ہے۔

دین کو بے اعتبار بنانے کے لئے قرآن کا غلط استعمال

اس لئے اسلام کے دشمنوں بالخصوص یہود ونصاریٰ اور ان کی نفسانی اولاد پر جو ان ہی کے رنگ پر پلی اور ان ہی کی تقے چاٹ کر پروان چڑھی اسلام کا یہ امتیازی نشان شاق ہوا تو انہوں نے حَسَدًا مِن عِندِ اَنفُسِہِم اسے میٹ دینے کی کوشش کی حدیث اور اس کے ساتھ قرآن کے طریق روایت پر شکوک وشبہات وارد کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دین سے بیزار کرنا چاہا لیکن اس کے اصلی محافظ نے جو اسکا نازل کنندہ ہے اس کی حفاظت کی اور ان کی تمام مساعی رائیگاں گئیں تب انہوں نے کمال نفاق سے آخری حربہ قرآن کے نام پر قرآنی دین کی روایات کو بے اعتبار بنانے اور بیانِ قرآن یعنی حدیث کو دنیا سے محو کر دینے کا منصوبہ بنایا لیکن قرآن نے انہیں پھٹکار دیا، اور ان کی دسیسہ کاریوں کو انہیں کے منہ پر مار کر ان کے علی الرغم حدیث و روایت کے سلسلے میں حدیث سند، حدیث، مطاعن حدیث، اوصافِ رواۃ، عددِ رواۃ، اس عدد کی قلت وکثرت سے پیدا شدہ اقسام حدیث، اوصاف رواۃ اور ان کے قوت وضعف کے معیار سے حاصل شدہ انواع روایت وغیرہ کا ماخذ قرآن نے خود اپنے کو بتایا، تاکہ کسی بوالہوس کو قرآن کی آڑ لیکر خود اسی کے بیان کو بے اعتبار بنانے کی جرأت نہ ہو۔ پس روایات حدیث عددی قسم کی ہوں یا وصفی قسم کی قرآن سے باہر نہیں جا سکتیں جبکہ قرآن ہی ان کے حق میں مؤسس ہے

اور وہ کسی انسان کی اختراع وایجاد سے پیدا نہیں ہوگئیں البتہ ان کے اسماء و القاب اور ان کے احوال کی معبر اصطلاحات علماء نے ان کے مناسب حال خود تجویز کر لئے سو اصطلاح کی تجویز کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ حقائق بھی ان کی اختراع کردہ ہیں اور ظاہر ہے کہ جب حدیث کی قسموں کے یہ معیاری اصول اور ان کی بنیادی انواع واقسام قرآن کی تاسیس سے قائم شدہ ہیں اور وہی ان کی فروعی اقسام کا بھی بواسطہ اصول ماٰخذ ہے تو انکار حدیث درحقیقت انکار قرآن ہے اور حدیث کی حجیت کا، انکار فی الحقیقت قرآن کی حجیت کا انکار ہے۔

قرآن و مرادات خداوندی کی رسول اللہ تک منتقلی!

پھر یہی نہیں ہے کہ حدیث کی یہ بنیادیں ہی قرآن نے قائم کی ہیں اور وہ ان کے حق میں صرف ماٰخذ ہی ہے بلکہ غور کیا جائے تو قرآن ہی نے حدیث کو محفوظ من اللہ ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے جس کے بعد انکار حدیث کی نہ صرف یہ کہ گنجائش باقی، نہیں رہتی بلکہ یہ انکار پہاڑ سے سر پھوڑنے کے مترادف ثابت ہوتا ہے جس سے منکر کے ایمان میں تو یقیناً خلل پڑ سکتا ہے لیکن روایت و حدیث کے نظم میں کوئی ادنیٰ خلل نہیں آسکتا وجہ یہ ہے کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق قرآن فہمی بلا بیان کے نہیں ہو سکتی اور یہ کہ بیان ہی سے مرادات خداوندی کھل سکتی ہیں اس لئے قرآن کی حفاظت کے معنی صرف اس کے لحاظ کی حفاظت کے نہیں ہو سکتے بلکہ قرآن مع

بیان کی حفاظت کے ہوں گے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک درجہ الفاظ و تعبیرات کا ہے جس کا تعلق قرأۃ خداوندی اور پیغمبر کی لسانی حرکت سے ہے اور ایک درجہ معانی و مطالب اور مرادات خداوندی کا ہے جس کا تعلق بیانِ خداوندی یا بیانِ نبوی سے ہے پس قرآن کے تحفظ و بقاء کے معنی یہ ہیں کہ اس کے الفاظ و تعبیرات بھی محفوظ ہوں اور معانی و مرادات یعنی بیان بھی محفوظ ہو۔ ورنہ اگر الفاظ کی، حفاظت ہو جائے اور معانی کی رہ جائے تو گویا نصف قرآن کی حفاظت ہوئی اور نصف غیر محفوظ رہ گیا، یا معانی کی حفاظت تو کی جائے اور الفاظ و تعبیرات کی چھوڑ دی جائے تو پھر بھی وہی نصف قرآن کی حفاظت ہوئی اور نصف کی رہ گئی اس لئے مکمل حفاظت جب ہی ہو سکتی ہے جب لفظ و معنی اور قرآن و بیان دونوں محفوظ کر دیئے جائیں ورنہ ناقص حفاظت ہوگی جسے حفاظت نہیں کہا جا سکتا حالانکہ دعوٰے حفاظت کاملہ کا کیا گیا ہے جیسا کہ لفظِ حافظون کے مطلق لانے سے واضح ہے۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے دونوں ہی کی حفاظت کا ذمہ لیا کہ ایک کے بغیر دوسرے کا محفوظ رہنا دشوار تھا۔

چنانچہ جہاں تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی ذات کا تعلق ہے حق تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری "علینا" کے کلمہ سے، فرمائی جو اپنے اوپر لازم کر لینے کے معنی میں آتا ہے یعنی "علینا" ہی کے کلمہ سے تو قرآن کی جمع و حفاظت کا سینۂ نبوی میں ذمہ ظاہر فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن کے

معنی مایُقرا کے ہیں یعنی پڑھے جانے کی چیز، اور پڑھے جانے کی چیز ظاہر ہے کہ الفاظ ہی ہیں معنی نہیں ہو سکتے اس لئے ان علینا جمعہ وقرانہ سے تحفظ الفاظ کا وعدہ ہوا پھر علینا ہی کے کلمہ سے حضورؐ کے لئے ان، الفاظ کے مطالب ومرادات کھول دینے کا ذمہ لیا جسے بیان کہتے ہیں کیوں کہ بیان کے معنی کھول دینے اور واضح کر دینے کے ہیں، اور واضح، معانی ہی کئے جاتے ہیں جو لفظوں میں مخفی اور لپٹے ہوئے ہوتے ہیں نہ کہ خود الفاظ کہ وہ ہر ایک حرف شناس کے لئے واضح ہوتے ہیں اس لئے ثم ان علینا بیانہ سے اس بیان کی حفاظت کی ذمہ داری واضح ہوگئی پھر ثم کا لفظ بھی اس کی کھلی دلیل ہے کہ اس کے بعد علینا سے جو ذمہ داری لی جارہی ہے اس کا پہلی ذمہ داری سے تعلق نہیں ورنہ ثم کا لانا عبث ہو جائے گا پس علیّنا کا تکرار اور ثمَ سے ان دونوں میں فصل ان دو ذمہ داریوں کو کھلے طور پر واضح کر دیتا ہے، ایک الفاظِ قرآن کی حفاظت کی، اور ایک بیانِ قرآن کی حفاظت کی۔ ظاہر ہے کہ، اس بیان کو جو قرآن کے بارہ میں سینۂ نبوی میں ڈالا گیا، جس تعبیر سے بھی ڈالا گیا ہو جب وہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وبارک وسلم کے سینۂ مبارک میں کسی ملفوظ کی شکل میں خطور کرے تو وہ ہی حدیث نبوی ہے جس کا مضمون تو من اللہ ہے اور الفاظ من الرسول اور ثم علینا سے اسی بیان کو، سینۂ نبوی میں محفوظ کر دینے کی ذمہ داری حق تعالےٰ نے فرمائی تو دوسرے،

لفظوں میں حدیث کے تحفظ کی ذمہ داری رسول کی ذات کی حد تک اللہ کی طرف سے ہوگئی پس اگر قرآن (مایقرأ) ضائع نہیں ہوسکتا تو بیان (مایبیّن) بھی ضائع نہیں ہوسکتا حق تعالےٰ نے پہلی چیز یعنی الفاظ تو رسول تک بذریعہ قراۃ پہنچائے چنانچہ کہیں فاذا قرأناہ (جب ہم قراۃ کرنے لگیں) فرماکر اپنے کو قاری ظاہر فرمایا اور کہیں نتلوا علیک (ہم تم پر اے نبی تلاوت کرتے ہیں) فرماکر اپنے کو تلاوت کنندہ فرمایا۔

ادھر دوسری چیز یعنی مراد و مطالب کا بیان رسول تک بذریعہ تعلیم پہنچایا، کیوں کہ علم کا موضوع الفاظ کو پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے معانی و مطالب کا سمجھانا ہوتا ہے اور اسی کو تعلیم کہتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے ہی کو معلم رسول بھی فرمایا۔

وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔	اور ہم نے تعلیم دیں تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے اور تھا تم پر اللہ کا بڑا فضل۔

کہیں اس تعلیم کو ہدایت کے لفظ سے تعبیر فرمایا جس کا تعلق الفاظ سے نہیں معانی ہی سے ہے چنانچہ کتاب الٰہی اور ایمان باللہ کے بارہ میں اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ، ہم نے ہی اے نبی تمہیں ایمانی مقاصد کی ہدایت کی ورنہ تم اس سے پہلے ان باتوں سے واقف نہ تھے۔

ماكنت تدري ما الكتاب ولا الايمان ولكن جعلناه نورا نهدي به من نشاء من عبادنا.

بہر حال قرآن کے الفاظ اور معانی تلاوت اور ہدایت و تعلیم کے ذریعہ پیغمبر تک بحفاظت تمام پہنچ گئے اور سینۂ نبوت میں جمع اور محفوظ ہو گئے۔

قرآن و مرادات خداوندی کی ہر دور میں منتقلی

مگر سب جانتے ہیں کہ قرآن اتارنے کا مقصد قیامت تک کے انسانوں کی تکمیل ہے جیسا کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعا سے واضح ہے۔ اس لئے محض رسول کی تعلیم اور ان پر تلاوت کر دینے سے یہ مقصد عظیم پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ یہ قرآن و بیان ساری امت تک اسی حفاظت سے نہ پہنچ جائے اور تا قیام قیامت اسی طرح محفوظ نہ ہو جائے جس طرح رسول تک، پہنچا اور محفوظ ہو گیا تو حق تعالےٰ نے اسی تلاوت اور تعلیم و ہدایت کا ذمہ جو رسول کے لئے خود لیا تھا امت رسول کے لئے وہی ذمہ رسول کے سر عائد فرمایا۔ کہ وہ امت کے لئے تلاوت آیات بھی کریں تاکہ الفاظ قرآنی امت تک پہنچ جائیں اور تعلیم و ہدایت کا سلسلہ بھی قائم کریں تاکہ مطالب و مرادات الٰہی بھی امت تک پہنچ جائیں اور اس طرح قرآن و بیان کے بکمال امانت و دیانت آگے تک پہنچتے رہنے کا سلسلہ قائم فرما دیں۔ چنانچہ رسول کی ذمہ داریاں ظاہر کرتے ہوئے

فرمایا گیا۔

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفی ضلال مبين واخرين منهم لما يلحقوابهم وهو العزيز الحكيم ؂

تحقیق احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنین پر جب کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں اور دوسرے ان لوگوں میں جو اب تک ان سے ملے ہیں، اور وہ غالب حکمت والا ہے

اس میں وہی تلاوت اور تعلیم کی ذمہ داری رسول پر ڈالی گئی ہے جس کی ذمہ داری رسول تک پہنچانے کی خود حق تعالےٰ نے لی تھی۔ یہاں تک تو رسول پر منصبی ذمہ داری عائد کر دیئے جانے کی اطلاع تھی۔

لیکن یہ کہ رسول نے ذمہ داری کو عملی جامہ پہنایا یا نہیں، اور قرآن کے، ساتھ بیانِ قرآن امت تک پہنچ گیا یا نہیں؟ تو تعلیم کے بارے میں فرمایا کہ ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون ۔ اور تمہیں وہ تعلیم دیتا ہے اس کی جو تم نہیں جانتے تھے، اور ہدایت کے بارے میں فرمایا کہ ۔ وانك

لتھدی الی صراط مستقیم اور آپ لے پیغمبر البتہ ہدایت کرتے ہیں
سیدھے راستہ کی)۔ ادھر بیان کے بارے میں فرمایا وانزلنا الیک
الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم اور ہم نے اے پیغمبر ان کی
طرف یہ ذکر (قرآن) اتارا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس چیز کو کھول کھول کر
بیان کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے،

غرض جو تلاوت تعلیم بیان اور ہدایت اللہ سے رسول کی طرف آئی تھی
بعینہ اسی کا رسول سے امت کی طرف آنا بھی ثابت ہو گیا اور خوب خوب نمایاں
ہو گیا کہ قرآن کے ساتھ ابتدائے نزول قرآن سے بیان لازم رہا ہے کیوں کہ
بلا بیان کے قرآن لفظِ محض ہو گا جس کی مرادات اور مطالب کی تعیین و
تشخیص لوگوں کی اپنی ہو گی جو محض ظنی اور قیاسی رہ جائے گی۔ اس لئے تلاوت
و قرأت کے ساتھ تعلیم و ہدایت اور بیان کی ذمہ داری خود صاحب قرآن نے
لی جس سے صاف واضح ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں اور
معانی و مرادات بھی منزل من اللہ ہیں جن کے اظہار کا نام بیان ہے۔ اس
لئے قرآن کے بارے میں اولین قاری حق تعالے نے اپنے کو فرمایا، جیسا کہ
فاذا قرأناہ سے ظاہر ہے ورنہ فاذا قرأتہ فرمایا جاتا، اسی طرح بیان
کے بارے میں اولین مبیّن اور مفسر قرآن بھی خود اپنے ہی کو فرمایا جیسا
کہ ثم ان علینا بیانہ سے ظاہر ہے ورنہ ثم ان علیک بیانہ

فرمایا جاتا۔ پس اپنے ہی کو قاریٔ اول اور اپنے ہی کو مبیّنِ اول فرماکر گویا اس
کا دعوٰے فرمایا کہ الفاظِ قرآن ہوں یا مطالبِ قرآن یعنی بیان، دونوں،
ہمارے ہی نازل کردہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی رسول کی انشاء یا،
ایجاد کو دخل نہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم دملزوم ہیں، نہ لفظ
بلامعنی مراد کے کارآمد ہیں، اور نہ مراد بلا مقررہ الفاظ کے تعبیر میں آسکتی ہے
اس لئے قدرتی طور پر جہاں بھی نزولِ قرآن کا ذکر ہوگا وہاں نزدل بیان بھی
ساتھ ساتھ مراد لینا ضروری ہوگا کہ بغیر نزولِ معنی کے نزولِ الفاظ
بے معنی ہیں۔ ایسے ہی جہاں بھی حفاظتِ قرآن کا ذکر ہوگا وہاں یہ بیانِ قرآن
بھی اسی حفاظت میں شامل رکھا جانا ضروری ہوگا کہ بغیر حفاظتِ بیان
کے قرآن کے الفاظ کی حفاظت بے معنی ہوگی۔ پس جب کہ حق تعالیٰ نے فرمایا

انا نحن نزلنا الذکر | ہم ہی نے ذکر (قرآن)، اتارا۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ ہم نے صرف الفاظِ قرآن بلامعنی
مراد کے اتار دیئے۔ یا معانی بلا الفاظ کے نازل کردیئے۔ بلکہ یہی اور صرف
یہی مطلب لیا جائے گا کہ پورا قرآن یعنی الفاظ ومعانی کا قرآن اتارا۔
جس کے الفاظ بھی ہمارے ہی تھے اور معانی بھی ہمارے، کیوں کہ ہم نے
ہی اسے پڑھ کر رسول کو سنایا اور قرآت الفاظ کی ہوتی ہے۔ اور ہم نے
ہی بیان دے کر رسول کو سمجھایا۔ اور سمجھانا معانیٔ مراد کا ہوتا ہے۔

غرض یہاں ذکر سے قرآن مع بیان مراد ہوا بس کہ وہ دونوں نازل کردہ ہیں۔ اسی طرح جب کہ اس آیت کے اگلے ٹکڑے میں قرآن کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

وانالہ لحافظون | اور ہم ہی اس قرآن کے محافظ ہیں۔

جس میں لہٗ کی ضمیر اسی ضمیر کی طرف راجع ہے جس کے معنی قرآن مع، بیان کے تھے تو یہاں حفاظت کے دائرہ میں بھی وہی قرآن مع بیان ہی مراد لیا جانا ضروری ہوگا، اور محافظت کا تعلق دونوں ہی سے ماننا پڑے گا کہ قرآن اور اس کے بیان کے ہم ہی محافظ ہیں۔ ورنہ یہ حفاظت مکمل نہ رہے گی بلکہ ادھوری اور ناقص رہ جائے گی حالانکہ آیت میں لحافظون مطلق لایا گیا ہے جس سے اصولِ عربیت کے مطابق حفاظت کا فردِ کامل مراد لیا جانا ضروری ہے اور حفاظت کاملہ وہی ہے جو لفظ و معنی اور قرآن و بیان دونوں کو شامل ہو جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔

اس لئے آیت کے دعوے کا حاصل یہ نکلا کہ ہم ہی قرآن کے لفظوں کے بھی محافظ ہیں اور ہم اس کے معنی اور بیان کے بھی محافظ ہیں۔ ورنہ اس کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے کہ وہ اس کے الفاظ کے تو محافظ ہوں اور معانی کے نہ ہوں۔ درحالیکہ الفاظ کا مقصد معنی ہوتے ہیں، جب مقصد ہی محفوظ نہ رہا تو وسائل محضہ کے محفوظ رہنے سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ ایسے ہی یہ بھی مطلب

نہیں ہوسکتا کہ ہم اس کے معنی کے تو محافظ ہیں لفظوں کے نہیں درحالیکہ تعبیرات
گم ہوجائیں تو معانی کی طرف رہنمائی ممکن نہیں کیوں کہ بغیر الفاظ کے معانی موجود
ہی نہیں رہ سکتے چہ جائیکہ محفوظ رہیں ۔ ہاں یہ صورت اس وقت بن سکتی تھی
کہ لحافظون کو لفظ یا معنی کے ساتھ معتید کرکے لایا جاتا تو جس
کی قید لگی ہوتی صرف اسی کی حفاظت مراد ہوتی ۔ لیکن مطلق لانے کا مطلب
ہی یہ ہے کہ لفظ و معانی دونوں ہی اس حفاظت کے نیچے آئے ہوئے ہیں ۔
بہرحال لفظ و معنی اور قرارۃ و بیان میں سے ایک بھی گم ہوجائے تو ذکر
کی حفاظت باقی نہیں رہ سکتی جس کا دعوٰے کیا جارہا ہے، بلکہ ذکر ہی سرے
سے باقی نہیں رہے گا چہ جائیکہ وہ محفوظ رہے ۔

تاقیامِ قیامت حفاظتِ قرآن

پھر جیساکہ لحافظون کا کلمہ، اپنے مشمولات کی رو سے مطلق ہے جس
میں لفظِ محض یا معنی محض مراد نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اپنے اطلاق کی وجہ سے
دونوں ہی کو شامل ہوگا ۔ ایسے ہی یہ کلمہ (لحافظون) زمانوں کے لحاظ سے
بھی مطلق ہے جس میں کسی زمانہ کی قید لگی ہوئی نہیں ہے کہ یہ حفاظتِ لفظ و معنی
صرف ماضی کی حد تک تھی یا صرف مستقبل اور حال کے لئے ہے بلکہ ہر زمانہ اس
کے اطلاق کے نیچے داخل ہے اور حاصل یہ ہے کہ ہم ماضی و حال اور مستقبل
ہر زمانہ میں اس کے محافظ ہیں ۔ اندریں صورت کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس حفاظت

کو زمانۂ نبوی یا زمانۂ صحابہ کے ساتھ مقید کر دے ورنہ کلام خداوندی کے اطلاق کی تقیید لازم آئے گی جو تبدیل و تحریف کے ہم معنی ہے اس لئے اس حفاظتِ الٰہی کا دوام بھی اسی آیت سے ثابت ہو رہا ہے۔

بہر حال قرآن کے لفظ و معنی کی جو حفاظت خداوندی قراءۃ و بیان کے ذریعہ حسب دلالت علینا جمعہ اور علینا بیانہ رسول کی ذات کی حد تک ثابت ہوئی تھی وہی حفاظت الٰہی اس قرآن و بیان کی امت کی حد تک اور وہ بھی تا قیامِ قیامت اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گئی۔ خواہ اس کا طریقہ محض نقل و روایت ہو یا خط و کتابت، سو رسول کی حد تک تو یہ قرآن و بیان بصورت الہام خداوندی روایت باطنی کے طور پر محفوظ رہا اور امت کی حد تک بصورت نقل و روایت ظاہری یا تحریر و کتابت کے طور پر محفوظ رکھا گیا۔ اس لئے اس بیان قرآن یعنی حدیث کا تحفظ من جانب اللہ اللہ سے رسول تک اور رسول سے امت تک اور وہ بھی تا قیامت قرآن سے ثابت ہو گیا۔ فللہ الحمد۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اسلام آخری اور دائمی دین ہے اور قرآن آخری و دائمی کتاب ہے تو یہ آیت حفاظت اور اس کا دعوائے حفاظت بھی دوامی اور قیامت تک ہونا چاہیئے ورنہ قرآن کے ایک جزء کے بھی دوامی نہ رہنے سے، قرآن دائمی نہ رہے گا اور جب کہ اللہ کا یہ دعوائے حفاظت قرآن و بیان دائمی مانا

جانے تو فعل حفاظت بھی دوامی ہی ماننا پڑے گا ورنہ اللہ کے دعوائے حفاظت کا غیر واقعی ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے حفاظت قرآن و بیان کا قیام قیامت تک وقوع میں آتا رہنا ضروری ہوگا جس سے پوری امت کی حد تک قرآن اور اس کے بیان یعنی حدیث کا قیامت تک محفوظ من اللہ ہونا خود اس آیت کی دلالت سے ہی ثابت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جیسے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام کے الفاظ و مرادات کو اپنی حفاظت کے ساتھ سینۂ نبوت میں اتار کر جمع اور محفوظ کر دیا تھا ایسے ہی اس کے رسول نے بھی اسی حفاظت خداوندی کی مدد سے قرآن و بیان کو، سینۂ امت میں منتقل فرمادیا اور اس طرح قرآن و حدیث بحفاظت الٰہی، قیامت تک کی امت تک بتمام و کمال پہنچ گئے فرق اتنا ہے کہ خدا سے نبی تک قرآن و بیان بلا توسط اسباب محض باطنی رشتوں سے منتقل ہوا اور رسول سے امت تک کھلے طور پر بتوسط اسباب منتقل ہوتے رہنے کا راستہ ہموار ہوا۔

چنانچہ جس طرح حفظِ قرآن کے ذریعہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کرائی گئی کہ تواتر طبقہ کے ساتھ قرآن کی روایت کی جاتی رہی اور کی جاتی رہے گی اور وہ ہر قرن میں لاکھوں سینوں کی امانت بنا رہا اور بنا رہے گا ایسے ہی حفاظِ حدیث کے ذریعہ حدیث یعنی اس بیانِ قرآن کی حفاظت کرائی گئی کہ حفاظت خداوندی

نے انہیں مجیر العقول حافظے عنایت کیئے انہوں نے اعجازی طور پر حدیث کے

متنوں اور اسانید کو سلف سے خلف تک فنی طور پر پہنچایا جو دیا نتاً ہی نہیں

قانوناً بھی قابل ردیا نا قابل قبول نہیں ہو سکتیں اور حدیث لاکھوں سینوں کی

امانت بن گئی پھر جس طرح مفسرین نے قرآنی علم کی حفاظت کے لئے سینکڑوں

مستقل علوم و فنون وضع کیئے جن کا نام تک بتلانے کے لئے مستقل کتابیں

لکھی گئیں جیسے الاتقان فی علوم القرآن ، علامہ سیوطیؒ کی ، یا جواہر القرآن غزالی

کی وغیرہ وغیرہ جس سے قرآنی علوم کی انواع کھلیں ، اور قرآن اپنی ایک ایک

لفظی اور معنوی حیثیت سے محفوظ ہو گیا جس کی بدولت حفاظت کنندہ ،

ایک طبقہ نے اس کے الفاظ کی حفاظت کی جو حفاظ کہلائے جو ہر قرن میں

ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں رہے اور ہیں ۔

ایک طبقہ نے اس کے اعراب کی حفاظت کی اور زیر وزبر لگائے تا کہ حفاظ کی

حفاظت الفاظ باضابطہ رہے اس کے حروف ، کلمات ، رکوع ، اور سورتیں ،

سب گن گن کر رکھدیں اور بکمال ضبط و حفظ گن کر محفوظ کردیں ۔

ایک طبقہ نے اس کے طرز ادا ، کی حفاظت کی جو قرا ، ومجودین کہلائے ۔

ایک طبقہ نے اس کے طرز کتابت کی حفاظت کی جو علمائے رسم الخط کہلائے ۔

ایک طبقہ نے اس کے لغات و محاورات کا تحفظ کیا جو علمائے مفردات کہلائے ۔

پھر اس کے بیان کی روشنی میں جن کا نام سنت اور اسوۂ حسنہ ہے خواہ قولی

ہو یا فعلی معانی کی مختلف جہات کا تحفظ مختلف طبقات نے اپنے ذمہ لیا اور ان، حفاظتوں کو مختلف علوم و فنون کی حیثیت دی۔ ایک طبقہ نے تفسیر باللغۃ، کی اور اس کی وجوہ فصاحت و بلاغت کو واضح کیا جو علمائے عربیت کہلائے۔

ایک طبقہ نے تفسیر بالروایت کی جو اہل الاثر کے نام سے موسوم ہوئے۔

ایک طبقہ نے اس کی جزئیات مستنبطہ کی حفاظت کی جو فقہاء کہلائے۔

ایک طبقہ نے درایت سے اسکے عقلی پہلوؤں کو واضح کیا جو حکماء اسلام اور اہل کلام کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کی کلیات و جزئیات میں سے علل احکام کا استخراج کر کے اسے لاء اور قانون کی صورت میں پیش کیا جو آئمہ ہدایت اور مجتہدین کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کے مواعظ و حکم اور امثال و عبر کی نگہداشت کی جو خطباء کہلائے

ایک طبقہ نے اس کے وقائع اور قصص کی تبیین اور تفصیل کی جو مورخین کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس کے جزئی معانی سے اصول و کلیات کا استنباط کیا جن سے اس کے علوم کا انضباط ہوا اور وہ مفکرین امت کہلائے۔

ایک طبقہ نے اس سے مسائل استخراج کرنے کے لئے وجوہ استخراج منضبط کئے اور ان کی جامع اصطلاحات ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ خاص و عام، مطلق و مقید، عبارت و دلالت، اقتضاء و اشارۃ مجمل و مفسر وغیرہ وضع کیں

جو علماء اصول کہلائے ۔

ایک طبقہ نے اس سے اقوام عالم کی ذہنیتوں، فطرتوں اور ان کے عروج و زوال کے سیاسی اصول منضبط کئے جو علمائے ادارہ کہلائے ۔

ایک طبقہ نے اس سے باطنی علوم وحقائق نفسیات کے انقلابی طرق اور شہود و انکشاف قواعد نکال کر ان کی حفاظت کی جو عرفاء کہلائے ۔

غرض قرآن حکیم کی لفظی اور معنوی جہت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی حیرت انگیز حفاظت نہ کی گئی ہو اور وہ بھی اس شان سے کہ کوئی طریق حفاظت اختراعی نہیں بلکہ استنباطی ہے جو قرآن اور بیانِ قرآن سے ماخوذ اور ہر علم و فن کے اصول کے لئے احادیث و آیات سے شواہد موجود ۔ چنانچہ ان علوم میں سے جس علم کو بھی اٹھا کر دیکھا جائے وہ کسی نہ کسی آیت یا روایت کی تفسیر نظر آتا ہے جس کے مسائل کے لئے کسی نہ کسی آیت اور حدیث سے شاہد عدل پیش کر دیا گیا ہے گویا قرآن کے ان علوم کی طرف سنت نے رہنمائی نہ کہ ان علماء کی طبائع یا عقول محض نے ، اور اگر کہیں عقل صافی سے بھی کام لیا گیا ہے تو اسے نور سنت سے مستنیر بنا کر ہی قابل التفات سمجھا گیا ہے جس سے دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے ۔ ولو کرہ الکافرون ۔

حدیث کی حفاظت کے مختلف ادوار

پھر جس طرح امت کے ہاتھوں کلام خداوندی کی حفاظت من جانب اللہ

کرائی گئی بعینہ اسی طرح بیان قرآن یعنی حدیث کی حفاظت کے لئے بھی حق تعالےٰ نے امت مرحومہ کو موفق فرمایا اور اس امت نے جس طرح تحفظ کتاب میں حیرت انگیز سعی کر کے دکھلائی اس سے کہیں زیادہ سنت کے تحفظ میں سرگرمی کا حق ادا کیا اور وہ کچھ کر دکھایا جو دنیا کی کوئی قوم اپنی کسی سماوی کتاب کے ساتھ بھی نہیں کر سکی۔ فرق صرف یہ تھا کہ کلام الٰہی کی وحی چونکہ بلفظہ نازل ہوئی تھی۔ اس لئے وہاں الفاظ کا تحفظ بھی لازمی تھا کہ وحی ہی کلامی اور معجزہ ہی کلام کا تھا مگر اس وحی غیر متلو (سنت) ، میں معانی و مضامین تو من جانب اللہ تھے مگر الفاظ منزل من اللہ نہ تھے اس لئے یہاں تحفظِ الفاظ بجنسہٖ ضروری نہ تھا۔ بلکہ روایت بالمعنیٰ کی بھی اجازت تھی اس لئے امت نے نفس مضمون وحی کی حفاظت پر پورا زور صرف کر دیا گو اس کے ساتھ الفاظ کو محفوظ رکھنے کی بھی، انتہائی جدوجہد کی۔ چنانچہ ہر حدیث کے الفاظ یا بعینہ محفوظ ہیں یا ایسے متقارب ہیں کہ قریب بعینہ کے ہیں۔

بہرحال حدیث کی غیر معمولی حفاظت من اللہ ہوئی جس کے انداز مختلف ہوئے ابتداءً حفظ حدیث کا دور آیا جو دورِ صحابہؓ ہے اس وقت زیادہ تر حدیث، سینوں کی امانت رہی گو اسی زمانہ میں کتابت حدیث بھی جاری ہو چکی تھی جیسا کہ متعدد روایات میں اس کی تصریحات موجود ہیں تاہم غلبہ حفظ ہی کا تھا اور صحابہ کرامؓ نے کمال تدین و احتیاط سے اس وعدۂ خداوندی کو حافظہ کی

مد سے پورا فرمایا کہ ہمارے ہی ذمہ قرآن کے بیان کی بھی حفاظت ہے گویا یہ وعدہ انہی سے کیا جا رہا تھا۔ پھر تدوینِ حدیث کا دور آیا جو تابعین سے شروع ہوتا ہے اور ممالکِ اسلامیہ کے مختلف اطراف و جوانب سے حفاظِ حدیث نے کتابتِ حدیث کر کے حدیث کی تدوین کی۔

پھر تعزیدِ حدیث کا دور آیا جس میں تنقیح کے ساتھ آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین سے حدیث کو الگ کر کے جمع کیا گیا۔

پھر تنقیدِ حدیث کا دور آیا جب کہ وضاعینِ حدیث یعنی منکرینِ حدیث بصورتِ مقرّینِ حدیث بھی کھڑے ہو گئے اور اصحابِ صحاح کا وقت شروع ہو گیا جنہوں نے حدیث کو نکھار نکھار کر صحیح کو ضعیف سے، اصل کو موضوع سے، الگ کیا اس لئے اسناد پر زور دیا جانے لگا، تاکہ اس کی رو سے حدیث و خبر کے اعتبار و عدمِ اعتبار کا فیصلہ کیا جائے اور سند صفاتِ سند، اور عدد رواۃ کے معیار سے حدیثوں کی قسمیں کی گئیں جیسا کہ قرآن ہی نے اس کی بنیاد رکھ کر، اصول قائم کر دیئے تھے جن کی تفصیل گذر چکی، پھر ان کے اصطلاحی نام تجویز ہوئے اور امت نے اپنی ذکاوۃ اور علمی ذراست کا ثبوت دیتے ہوئے حدیث کو فنی طور پر محفوظ کیا۔

حدیث کی حفاظت فنی طور پر

بہر حال حدیث اپنے عہد طفولیت سے چل کر قرنِ اول میں محفوظ ہوئی، قرن ثانی میں

مدون ہوئی، قرن ثالث میں منقح ہوکر آثار صحابہ سے الگ ہوئی پھر قرن رابع میں تنقید کے ساتھ نکھر کر منضبط ہوئی۔ اور پھر قرون مابعد میں مختلف ابواب پر منقسم ہوکر مرتب ہوئی۔ اور بالآخر اسے فنی طور پر محفوظ کر دینے کے لئے امت نے علمِ حدیث کے سلسلہ میں تقریباً بیاسی علوم وفنون وضع کئے اور فن روایت کو ہر سمت اور ہر جہت سے ایسے محیر العقول طریقے سے محفوظ کیا کہ اس کا ایک ایک گوشہ ایک ایک علم بن گیا، جس پر ہزاروں کتابیں تصنیف ہوئیں جس سے علومِ حدیث مثلاً متن حدیث سند حدیث، اقسام حدیث، غریب الحدیث مصطلحات الحدیث، علل حدیث، مطاعن حدیث، اور اسماء الرجال وغیرہ نے مستقل علوم وفنون کی صورت اختیار کر لی اور حدیث کے طفیل میں کتنے ہی اہم ترین فنون روایت منظر عام پر آگئے جس سے حدیث کی حفاظت محض، لوگوں کے حافظے یا شخصی مناسبت وسعی پر معلق نہ رہی بلکہ اصول وقواعدِ فن، قوانین وآئین، اور وجوہ و دلائل کی قوت سے باضابطہ بھی اس کا تحفظ وجود، میں آگیا جس کے حیرت ناک کارنامے تاریخ کی زینت اور ملت کی عظمت بنے ہوئے ہیں۔ ولو کرہ المنکرون۔

قرآن و حدیث کی ہر دور میں حفاظت

پھر جس طرح قرآن وبیان کے بارے میں حفاظت خداوندی نے یہ عظیم کرشمہ دکھلایا کہ امت میں حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث نیز علماء قرآن اور

علمائے حدیث کو کھڑے کیا جو اس کے لفظ و معنی اور قرات و بیان کی حفاظت کریں اسی طرح ایسے محافظ افراد کے قیامت تک کھڑے ہوتے رہنے کا اپنے سچے وعدوں سے اطمینان بھی دلایا کہ امت میں ایک طائفہ حقہ برابر قائم رہے گا جو منصور من اللہ ہوگا مخالفت کرنیوالے اسے ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ اور رسوا کرنے والے اسے رسوا نہ کر سکیں گے۔ پھر یہ بھی وعدہ دے دیا کہ ہر دور میں، سلف کے بعد خلف صالح پیدا ہوتے رہیں گے جو غالیوں کی تحریفوں، دروغ باف منکروں کی دروغ بافیوں، اور جہلاء کی رکیک تاویلوں کی قلعی کھولتے رہیں گے۔ نیز یہ بھی اطمینان دلایا کہ اس سب کے باوجود پھر بھی اگر فریبی اور مکار لوگ قرآن یا بیان قرآن کے بارے میں اپنی چرب زبانیوں اور حیل سازیوں سے عام قلوب کے لئے کچھ تلبیس یا التباس کا سامان پیدا کر بھی دیں گے تو ہر صدی پر مجدد آکر دین کو پھر از سر نو نکھارتے رہیں گے۔

منکرین قرآن کی انواع قرآن کریم کی روشنی میں

اور اس سے بڑھ کر حفاظت الٰہی کا ایک دوسرا عظیم کرشمہ یہ بھی نمایاں ہوا کہ اس حفاظت الٰہی میں خلل ڈالنے والے رخنہ اندازوں کی انواع، ان کے دجل و فریب کی صورتوں اور ان کے ناپاک ارادوں کی من وعن خبریں بھی دے دی گئیں۔ تاکہ امت کے اہل حق ہوشیار رہیں اور ان مکاروں کی چالاکیاں ایک طرفہ

کاروائی کر کے امت کو گمراہی کا شکار نہ بنا سکیں۔

وضّاعین

چنانچہ حدیث نبوی میں مختلف قسم کے منکرینِ حدیث کی خبر دی گئی کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف اندازوں سے حدیث رسول کا اعتبار ختم کرنے کی ناپاک سعی کریں گے ایک طبقہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ وضّاعینِ حدیث کی صورت میں نمایاں ہو گا جو وضع حدیث کے پیرایہ میں حدیث کو بے اعتبار ثابت کر کے گویا اس سے انکار کی دعوت دے گا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث مالم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (رواہ مسلم)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وبارک وسلم نے آخر زمانہ میں ایسے دجال و کذاب جھوٹے اور جعل ساز، پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں دھڑ گھڑ کر، بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی، ہوں گی اور نہ تمہارے آباء اجداد نے، دیکھو ان سے بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور مبتلائے فتنہ و فساد نہ بنا دیں۔

پس یہ تو ان لوگوں کی اطلاع تھی جنہوں نے حدیث اور بیان قرآن کو

معتبر کہہ کر بلکہ اس سے عقیدت کا اظہار کرکے عیاری سے جعلی حدیثیں گھڑیں اور اصلی حدیثوں میں رلا، ملا کر شائع کیں تاکہ اصلی حدیث کا اعتبار اٹھ جائے گویا اقرار کے پیرایہ میں انکارِ حدیث کیا۔

منکرین پھر ایسے لوگوں کے وجود کی بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ و بارک وسلم نے خبر دی جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کرکے اسے بے اعتبار بنانا اور مٹا دینا چاہیں گے اور اس عیاری کے ساتھ کہ قرآن کا نام لے کر قرآن کی روسے اس بیانِ قرآن کو ختم کر دینا چاہیں گے۔

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول الله صلی الله علیہ الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشك رجل شبعان علی أریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول الله کما حرم

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے خبردار رہو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کا مثل اور بھی دیا گیا ہے، حدیث، آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرا تونگر قسم کا آدمی مسند و تکیہ پر بیٹھ کر کہے گا کہ لوگو بس قرآن کو مضبوط تھامو، جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو، حدیث کا کوئی،

الله لا يحل لكم الحمار الاهلي ولا كل ذي ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا ان يستغني عنها صاحبها الخ

(رواه ابوداؤد)

اعتبار نہیں، حالانکہ (حدیث میں) رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰے علیہ و بارک وسلم) نے بھی بہت سی چیزوں کو حرام کیا ہے جیسے اللہ تعالٰے نے حرام فرمایا ہے۔ دیکھو پالتو گدھے کا گوشت تمہارے لئے حلال نہیں کھلے دانت والے درندے تمہارے لئے حلال نہیں، کسی معاہد کی گری پڑی چیز تمہارے لئے حلال نہیں الا یہ کہ تمہاری اطلاع کے بعد وہ خود ہی اس سے دستبردار ہو جائے۔

اس حدیث نے فتنہ انکار حدیث کا منشا بھی بتلا دیا کہ وہ منکروں کی شکم سیری اور پیٹ بھرے ہونے کا کرشمہ ہوگا دنیا کی طرف سے بے فکری ہوگی تو دین پر ہاتھ صاف کرنے کی سوجھے گی۔

كلا ان الانسان ليطغىٰ ان راه استغنىٰ

ہرگز نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان سرکش ہو جاتا ہے اور دین کو حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ جب اپنے

آپ کو مال و دولت کی وجہ سے ،
مستغنی دیکھتا ہے جیسا کہ امم سابقہ
اور خود اس امت کا اس بارے میں
یہی وطیرہ رہا ہے ،

پس غور کیا جائے تو وضاعینِ حدیث روافض کے نقشِ قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کو محرّف بتلانے کے لئے ہزاروں حدیثیں وضع کیں اور منکرین حدیث خوارج کے نقشِ قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کا نام لے کر ، احادیث کو بے اعتبار ٹھہرایا۔

محرِّفین

یہ تو وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکارِ حدیث یا تحریفِ الفاظِ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلایا ، ایسے طبقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظِ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں تحریف کے مرتکب ہونے والے تھے ۔

چنانچہ احادیث میں ان تحریفِ معنوی کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود ہے جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر پھر اس سے آزاد بلکہ اس پر اپنی عقل کو حکمران سمجھیں گے اور معانیٔ قرآن و حدیث میں عقلِ محض اور رائے مجرد سے ، معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی خو پیدا ہو جائے گی ۔ فرمایا گیا۔

تفرقت الیہود علی احد وسبعین فرقة وتفرقت النصاریٰ علی ثنتین وسبعین فرقة وستفترق امتی، علی ثلث وسبعین فرقة کلھا فی النار الا واحدۃ۔

بٹ گئے یہود اکہتّر فرقوں پر اور بٹ گئے نصاریٰ بہتّر فرقوں پہ اور بٹ جاوے گی میری، امت تہتّر فرقوں پر سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔

یہ گروہ بندی قرآن وحدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار، کے نام پر ہوئی اور امت میں اصولاً بہتّر فرقے بن گئے یہ وہی معنوی تحریف ہے جو یہود و نصاریٰ کا وطیرہ تھا جس سے ان میں بہتّر فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ اور رفتہ رفتہ توراۃ وانجیل کا اصل علم گم ہو گیا۔

یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ۔

کلمات دین، کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور نصیحتوں سے جو یاد، کرایا گیا تھا اسے بھلا بیٹھے ہیں۔

بہرحال جس طرح قرآن وحدیث کی حفاظت کی خبر دیتے ہوئے محافظین کی انواع پر مطلع کیا گیا کہ کوئی مجدد ہو گا، کوئی خلفِ عادل کوئی منصور علی الحق وغیرہ ایسے ہی اس حفاظتِ الٰہی میں خلل ڈالنے والے خائنوں، چوروں، اور ڈکیتوں کی انواع پر بھی مطلع کر دیا گیا کہ ان میں سے کوئی دجال ہو گا،

کوئی کذاب ہوگا، اور کوئی پیٹ کا گدھا اور شعبان ہوگا۔

غرض کوئی بیان قرآن کے الفاظ کا منکر ہوگا، اس کے معنی کا انکار کرے گا کوئی اس کی حجیت سے دستکش ہوگا، کوئی اس کی تاریخی حیثیت پر طعنہ زن ہوگا اور کوئی سرے سے قرآن ہی کو جعلی دستاویز بتلا کر اس دین سے لوگوں کو بیزار بنانے کی مہم سر انجام دے گا۔ غرض کچھ قرآن کے منکر ہوں گے اور کچھ بیان قرآن کے۔ چنانچہ لفظ و معنی اور اصول و قواعد کے ایک ایک گوشے سے ان دجالین وکذابین نے حدیث و قرآن کے راستے میں رہزنی کی اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کے ساتھ اس کا بیان لازم ہے ورنہ خود قرآن ہی باقی نہیں رہ سکتا۔

ان طبقات نے اپنی منحوس اغراض کے ماتحت قرآن کو مٹانے کے لئے اس کے بیان کا مختلف رُوپوں میں انکار کیا لیکن علمائے امت اور محدثین، شکر اللہ مساعیہم نے فنی طور پر جن اصول سے حفاظتِ حدیث کا فریضہ انجام دے کر حفاظتِ قرآن کا کام کیا انہی اصول سے منکروں کی ان ناپاک مساعی کے پرخچے اڑا دیئے جو انکار حدیث کے سلسلہ میں کی گئیں اور ان کی دسیسہ کاریوں کو حجت و برہان سے پامال کر کے رکھ دیا۔

بہرحال اس سلسلہ میں اس حفاظت خداوندی پر قربان ہو جئے کہ جہاں، قرآن و حدیث کے تحفظ کے یہ وسائل اور جوارح الٰہی و حفاظ و محدثین، پیدا

کئے جنہوں نے حدیث و قرآن کو محفوظ کیا، وہیں دشمنان حدیث و قرآن اور ان کی چالاکیوں اور انکار حدیث کے مختلف روپوں کی بھی پہلے ہی سے، خبریں دے دیں تاکہ خدام قرآن و حدیث ان کے مکر و فریب پر مطلع رہیں اور ان کے دجل و فریب اور کذب و افتراء کے جال میں پھنسنے نہ پائیں یعنی، قرآن و بیان کی حفاظت خداوندی کا یہ بھی ایک مستقل شعبہ تھا کہ ان دینی، بنیادوں کے چالاک دشمنوں کی اطلاع دے کر دوستوں کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا جائے۔

منکرین قرآن و حدیث اور حکمت خداوندی

تاہم جس طرح حکومت ملک کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے پولیس متعین کرتی ہے کروڑوں روپیہ کا بجٹ منظور کرتی ہے اور تعزیرات کے ذریعہ سے چوروں ڈکیتوں اور ملک میں بدامنی پھیلانے والوں کی سزاؤں کا اعلان کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود چور، ڈکیت اور رہزن پھر بھی باز نہیں آتے اور اپنی شقاوت باطنی سے قانون کی خلاف ورزیوں کی راہ چل کر رہتے ہیں جیل بھی بھگتتے ہیں، سزائیں بھی پاتے ہیں پیٹے بھی جاتے ہیں، لیکن رات دن کے جرائم کی عادت کی وجہ سے ان کی عبرت کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں، نہ وہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے ہیں، اور اپنے جرائم کے کام میں مستعد رہتے ہیں

پس قوم اپنے کام (حفاظتِ ملک) میں لگی رہتی ہے اور یہ جرائم پیشہ طبقہ
اپنے کام (چوری، ڈکیتی، اور امن سوزی) میں لگا رہتا ہے۔
اسی طرح سرکارِ خداوندی نے قرآن وحدیث کی حفاظت کی گارنٹی،
بھی لی اس کے لئے محافظین کی پولیس یعنی حفاظ ومحدثین بھی مقرر کئے غیب
سے ان کے روزینے بھی مقرر کئے۔ ان کی مدد کا وعدہ بھی کیا، اور حسب وعدہ مدد
برابر آ بھی رہی ہے، رخنہ اندازوں کے لئے اعلان عام بھی ہو رہا ہے کہ جو بھی،
اس قرآن وبیان میں رخنہ اندازی کرے گا اس کی سزا یہ ہوگی، اور یہ ہو
گی۔ لیکن اس کے باوجود جن کے قلوب میں شقاوت ازل ہی سے ودیعت
کی گئی ہے اور جو انہی جرائم کے لئے پیدا کئے گئے وہ قرآن وحدیث کی تحریف
سے نہ کبھی باز آئے، نہ آئیں گے کیوں کہ کتاب وسنت میں ان ناجائز
تصرفات وتحریفات کی عادت سے ان کی دیدۂ عبرت پٹ چکی ہے انہیں حق
نظر آسکتا ہے نہ وہ اس کی آواز سن سکتے ہیں۔
پس جس طرح سرکارِ خداوندی بتوسط علمائے امت اپنے حفاظت کے کام
میں لگی ہوئی ہے باوجودیکہ ان پر دلائل کی مار بھی پڑ رہی ہے وہ بارہا دلائل
حق کے گھیروں میں گھر کر بند بھی ہو جاتے ہیں، عقل سلیم اور فنون روایت
کی نقل صحیح کی طرف سے ان پر جوتیاں بھی پڑ رہی ہیں۔ مگر انہیں روزی ہی
انکارِ حدیث، وضعِ حدیث، تحریفِ حدیث، اور تمسخرِ حدیث کی دی گئی ہے

جو انہیں بہر حال لینی ہے اور گمراہیوں کے ساتھ مخلوق کی رہزنی کا کام کرنا ہے پس جس حکمتِ الٰہی نے شیطان اور اس کی رخنہ اندازیوں کو پیدا کر کے دین کی قوتوں کے کھولنے اور مضبوط بنانے کی راہ ڈالی، اسی حکمت نے منکرینِ قرآن اور منکرینِ حدیث اور ان کی سیہ کاریوں کو، پیدا کر کے قرآن و حدیث کی قوتوں کے واشگاف کرنے کی راہ پیدا کی ہے

خلق اللہ للحروب رجالا

ورجالا لقصعة وثريد!

مگر انجام کار نتیجہ یہ ہے کہ ان اشرار و فجار میں سے جس نے بھی دینِ حق کی ان دو بنیادوں، قرآن و حدیث کی قوتوں کے در شگاف چاہا وہی اوندھے منہ گرا، اور اس نے منہ کی کھائی۔ یہ منکر طبقے اپنے اپنے محدود وقتوں میں ابھرے مگر ابھر کر گرے، تو ایسے گرے کہ آج کوئی ان کے نقشِ قدم کا پتہ دینے والا بھی نہیں مگر قرآن و حدیث اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے چمک رہے ہیں۔ یہی صورتِ حال منکرین اور اربابِ تسخر و استہزار کے سامنے بھی آنے والی ہے۔ فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون ۔

قرآن اور پیغمبرؐ کی باہمی نسبت

بہرحال اس امت کو دو عظیم اور بے مثال نعمتیں بطور ہدیۂ خداوندی دی گئی ہیں ۔ ایک زندہ کتاب اور ایک زندہ نبیؐ ۔ اس لئے کوئی بھی بدنیت یا بدفہم ان کے آڑے نہیں آسکتا ۔ مردہ چیز کو جس طرح جس کا جی چاہے ادل بدل کر دے لیکن زندہ اور وہ بھی قوی دستین اور ذمہ بردارِ حفاظت کی چیز کو ادل بدل کر دینا تو بجائے خود ہے اس پر دھول اڑا کر کوئی اسے نگاہوں سے اوجھل بھی نہیں کر سکتا ۔

لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید ۔

باطل اس کے پاس بھی نہیں آسکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے وہ حکیم حمید کی طرف سے اترا ہوا (کلام) ہے ۔

قرآن حکیم اور اس کے بیان کی حفاظت کا یہ بھی ایک عظیم شعبہ ہے کہ بیانِ قرآن (سنت) کی روشنی میں دانایانِ سنت نے قرآن کے تراجم کرکے دوسرے اہل قرآن کو بھی اس پر مطلع کیا، تاکہ وہ دنیا کی ہر قوم میں ، پھیل جائے اور بسہولت دنیا کی ہر قوم اس سے استفادہ کر سکے تاکہ وہ عالمگیر ہو کر ، عالم کی ہر قوم کے دل میں اتر جائے اور اس طرح اس کی عالمگیر

حفاظت کا وعدہ خداوندی پورا ہو جائے ۔

چنانچہ علمائے اسلام قرآن کے تراجم کی طرف بھی متوجہ ہوئے ۔ اور کمال دیانت و امانت ، اور کمال صدق و فراست سے مستند علمائے ملت نے اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں کئے ۔ الامام شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ، پھر ان کے اخلاف رشید میں سے شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے دوسرا ترجمہ کیا ۔ پھر ان کے خلف صالح حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اردو میں ترجمہ کیا جو پورا پورا تحت اللفظ ترجمہ اور بے مثل ترجمہ ہے گویا قرآن کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر کلمہ کو اردو میں اس کی پوری کیفیت و اصلیت کے ساتھ منتقل فرما دینے کی سعی فرمائی ۔

حضرت شیخ الہند سیدنا و مرشدنا مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ محدث دیوبندی نے اس ترجمہ کے بارے میں اپنے استاد حضرت قاسم العلوم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا مقولہ نقل فرمایا کہ ۔ اگر قرآن اردو میں نازل ہوتا تو اس کی عبارت یہی یا اس کے قریب قریب ہوتی جو حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کی ہے ۔

محمد طیب غفرلہٗ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

کلمہ طیبہ بمع کلمات طیبات :	مولانا قاری محمد طیب (عکسی گلیز بمع کارڈ بورڈ)	
کلمہ، طیبہ کا قرآن وحدیث سے ثبوت اور دس ۱۰ اسلامی کلمات کی تشریح		
علم غیب :	مولانا قاری محمد طیب	〃
علم غیب کے مشہور اختلافی مسئلہ کی بے مثل تحقیق بمع رسالہ از حضرت گنگوہی ؒ		
شرعی پردہ :	مولانا قاری محمد طیب	〃
پردہ کا قرآن وحدیث سے ثبوت اور پردہ پر کئے جانے والے اعتراضات کے جواب		
فلسفہ نماز :	مولانا قاری محمد طیب	〃
نماز کی اہمیت، حکمت اور نماز کا فلسفہ انتہائی دل نشین انداز سے		
انسانیت کا امتیاز :	مولانا قاری محمد طیب	〃
انسانیت کا امتیاز صرف علوم ربانی ہیں۔ اپنے موضوع پر واحد کتاب		
شانِ رسالت :	مولانا قاری محمد طیب	〃
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت حکیمانہ انداز سے		
خاتم النبیین ؐ :	مولانا قاری محمد طیب	〃
آپ خاتم النبیین ؐ ہیں یعنی آپؐ کی تنہا ذات میں تمام انبیاء کے کمالات یکجا ہیں		
اصول دعوتِ اسلام :	مولانا قاری محمد طیب	〃
اسلام کے تبلیغی نظام کی مکمل وضاحت، مبلغین کے لئے ضروری کتاب		
گاؤں میں جمعہ کے احکام :	حضرت گنگوہی ؒ و حضرت تھانوی ؒ	〃
یعنی " اوثق العریٰ " اور " القول البدیع " عکسی طباعت کے ساتھ		

ملنے کا پتہ : ادارہ اسلامیات ۱۹۰ - انار کلی - لاہور

مکتوبات امدادیہ : حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ عکسی گلیز مع کارڈ بورڈ
حضرت تھانویؒ کے نام حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ۵۰ خطوط مع فوائد

سال بھر کے مسنون اعمال : حضرت تھانویؒ "
بارہ مہینوں کے احکام و فضائل مستند احادیث اور کتابوں سے

فضائل استغفار : حضرت تھانویؒ "
استغفار کی فضیلت اور استغفار کے طریقے قرآن و حدیث کی روشنی میں

معارفِ گنگوہیؒ : حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ "
حضرت گنگوہیؒ کے حکیمانہ نادر ملفوظات جو پہلی بار یکجا طبع ہوئے ہیں

فتاویٰ میلاد شریف : از حضرت گنگوہیؒ "
مع رسالہ طریقۂ میلاد شریف از مولانا اشرف علی تھانویؒ

حیات خضر علیہ السلام : مولانا سید میاں اصغر حسینؒ "
حضرت خضر علیہ السلام کے دلچسپ حالات مستند کتابوں سے

اذان اور اقامت : مولانا سید میاں اصغر حسینؒ "
اذان اور تکبیر کے جملہ فضائل و مسائل کا بہترین مجموعہ

سلاسلِ طیبہ : مولانا سید حسین احمد مدنیؒ "
صوفیاؒ کے چاروں طریقوں کے اوراد و اشغال اور ان کے منظوم شجروں کا مجموعہ

اسلامی آداب : مولانا عاشق الٰہی بلند شہری "
اسلامی آداب کا مجموعہ، جس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے

ملنے کا پتہ : ادارہ اسلامیات ۱۹۰ - انار کلی - لاہور فون نمبر ۶۳۲۵۳